
ماہنامہ
مسلمان بچے
®
لاہور
183
جمادی الاول ۱۴۴۴/دسمبر 2022
یا لطیف جل جلالہ
ہماری جنت
والدین اولاد کے لئے جنت ہیں لیکن۔۔۔!!!
اپنے ایمان کی فکر کریں
ہوشیاری کے ساتھ
ہم غافل تو نہیں
مسکراہٹ کے پھول....
ٹیپو سلطان... بوجھ بجھکڑ
علاوہ ڈھیروں مزیدار کہانیاں

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور

شمارہ 5

جمادی الاول ۱۴۴۴ھ بمطابق دسمبر 2022ء

جلد 16

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے
مسلمان بچے



بچوں کے
اسلامی......
اخلاقی......
تعلیمی...... اور
تربیتی ادب کا
ترجمان

قیمت فی شمارہ
60 روپے
سالانہ زرتعاون
720/= روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر 15 جی پی او بہاولپور

[redacted]

ترسیل رقم اور حصول کیلئے

مکتبہ ابن مبارک 37- حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں






اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو پھر سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا فرمایا: تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا ہے؟ جبکہ میں نے تجھے حکم دیا کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ہے(الاعراف)

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سفر اور حضر دونوں میں آپ ﷺ کی خدمت میں رہا۔
اللہ کی قسم! اگر میں نے کوئی کام کیا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام اس طرح کیوں کیا اور اگر میں نے کوئی کام نہیں کیا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔(مسلم)

حمد باری تعالیٰ

انتخاب: عالم بہروزی

میں ترا بندہ ہوں مولا تو مرا پروردگار
میری ایک ایک سانس پر ہے صرف تیرا اختیار
موت بھی قبضہ میں تیرے زندگی بھی تیری دین
غم کے بدلہ میں عطا کیں تو نے خوشیاں بے شمار سب تری
حمد و ثنا میں رات دن مشغول ہیں
گنگناتی ندیاں اور گیت گاتے آبشار
حور و غلماں ، جن و انساں ، ماہ و انجم ، آفتاب
سب ترے پابند ہیں اور سب پہ تیرا اختیار
شکل میں قرآن کے بخشا ہمیں اپنا کلام
اور محمد سا دیا ہے رہنمائے ذی وقار
میں گناہوں میں ہوں ڈوبا تو ہے رحمٰن و رحیم
بخش دے میری خطائیں میں بہت ہوں شرمسار

نعت رسول مقبول ﷺ

انتخاب: بنت نور الٰہی

مرکزِ و محورِ بندگی نعت ہے
بردۂ شوق کی زندگی نعت ہے
حُسنِ احمد کی مدحت ہے رشکِ سخن
رشکِ نطق و بیاں آپ کی نعت ہے
صدقہ مصطفیٰ رنگ و نکہت سبھی
لالہ و گل کی سب دلکشی نعت ہے
باغِ مدحت میں ہی سانس لیتا ہوں میں
میرے ایمان کی تازگی نعت ہے
اس کی تفسیر ہے سیرتِ مصطفیٰ
رب کے قرآن سے آگہی نعت ہے
حکمِ ربی ہوا ہے کہ فَلْيَفْرَحُوْا
آمدِ مصطفیٰ کی خوشی نعت ہے
پھر کرم ہو گیا اور قلم سے مرے
خوب ہی آج منظر ہوئی نعت ہے



ایک دعاء یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْاَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَ تَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ

یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں نیک کاموں کے کرنے کی، گناہوں کے چھوڑنے کی اور مساکین سے محبت کی۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: "اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ ثَلَاثًا وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُذْہِبُہٗ بِالتَّوَکُّلِ"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: ”بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو وہم ہو ہی جاتا ہے لیکن اللہ اس کو توکل سے دور فرما دیتا ہے۔“

ماں کی عظمت

انتخاب: ہمشیرہ نذیر احمد



محبتوں کا حسیں آبشار ہے مادر
علاج گردشِ لیل و نہار ہے مادر
خزاں کی رُت میں نسیمِ بہار ہے مادر
عظیم نعمتِ پروردگار ہے مادر

پڑی ہے رب کی رضایت بھی ماں کے قدموں میں
ملے گی دولتِ جنت بھی ماں کے قدموں میں



جہاں میں ہستئ صد ذی وقار ہے مادر
جہان میں شجر سایہ دار ہے مادر
میرا یقین مرا اعتبار ہے مادر
مری حیات کا دار و مدار ہے مادر

وہ جس مکان میں موجود ماں کی ہستی ہے
وہاں پہ رحمت رب علا برستی ہے



پڑھی کتاب الٰہی تو میں نے یہ جانا
کلام ، رب کا ہے جام ہُدیٰ کا میخانہ
یہ بات حق ہے ، نہیں ہے یہ کوئی افسانہ
کہا خدا نے وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحسَاناً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم

آج کچھ تلخ و شیریں باتیں ہیں۔امید ہے توجہ سے پڑھیں گے اور (اپنی) شکایت کا ازالہ بھی کریں گے۔

ڈاک کا نظام انتہائی سست ہونے کی وجہ سے شمارے کے لئے اکثر تحریریں واٹس ایپ پر موصول ہوتی ہیں اور وہی شامل اشاعت ہوتی ہیں۔تحریریں وصول کرنے کے لئے جو نمبر دیا گیا ہے یہ دن میں ایک یا دو بار کھولا جاتا ہے وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے پھر بند کر دیا جاتا ہے۔تحریریں بھیجنے والوں کو شکوہ ہے کہ اس نمبر سے ان کے سوالیہ میسجز کا جواب نہیں دیا جاتا۔روزانہ کئی پیغامات میں اس بات پر شدید عتاب سے نوازہ جاتا ہوں۔اس لئے مناسب سمجھا کر کچھ باتیں عرض کر دوں۔

1) آپ نے یہ نمبر یقیناً ''مسلمان بچے'' کے صفحات سے حاصل کیا ہے اور وہاں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ نمبر تحریریں بھیجنے کے لئے ہے، پھر اگر روزانہ بلاناغہ اس مضمون کے کئی میسجز آیا کریں کہ ''ہم تحریر بھیجنا چاہتے ہیں کیا اسی نمبر پر بھیج دیں؟'' تو آپ ہی بتائیے کہ اس بات کا کیا جواب دیا جانا چاہیے؟ چلیں سب کے لئے جواب ہے ''جی ہاں''

2) تحریر لکھنا نہ لکھنا، کس قسم کی تحریر لکھنا، نظم لکھنا یا نعت لکھنا یا کچھ بھی لکھنا سو فیصد آپ کی اپنی مرضی کا کام ہے۔اس کے لئے نہ تو اجازت حاصل کرنا شرط ہے اور نہ ہی یہ ہمارا منصب ہے کہ ہم اجازت دیا کریں۔لہٰذا روزانہ آنے والے اس مضمون کے تمام میسجز میں ''کہانی، نعت، نظم، آرٹ وغیرہ کی صورت مسلمان بچے کے لئے کوئی تحریر بھیجنا چاہتا / چاہتی ہوں۔کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟''____

کا جواب یہ ہے کہ ہماری طرف سے جملہ اہل اسلام کو مکمل اجازت ہے۔یہ اجازت ہمیشہ کے لئے ہے اور ہر طرح کی تحریر کے لئے ہے اور ناقابل تنسیخ ہے۔

3) اگر ہم کہانی لکھ کر بھیجیں تو آپ شائع کریں گے؟''

کہانی بھیجنے سے پہلے یہ سوال کرنا ''لغو'' کام ہے اور مسلمان کے ایمان کی خوبی یہ ہے کہ وہ لغو کام سے

پرہیز کرے۔اس لئے یہ سوال کرنے والوں کو ہماری طرف سے ”جواب“ ہے۔

4) تحریر بھیجنے کے ساتھ ”تین چار مس کالیں“ کرنے والوں کو کیا جواب دیا جائے، ایسے لوگ تو لاجواب ہوتے ہیں۔

5) ”یہ تحریر کب تک شائع ہو جائے گی“ کا جواب یہ ہے کہ ”باری آنے پر ان شاء اللہ“۔لہٰذا تحریر بھیجتے ہی یہ جواب دو تین بار پڑھ لیا کریں۔

6) ”ہائے“(Hi) کا جواب معلوم نہیں اور بزرگوں نے بتایا سکھایا بھی نہیں لہذا یہ پیغام والوں کو بندہ احتراماً صرف ”وعلیکم Hi“ لکھ کر بھیج دیتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے بعد ان کا مزید کوئی پیغام آتا بھی نہیں ،لعنت بر پدرِ فرنگ کہ اظہار تکلیف کے کلمہ کو مسلمانوں نے ”السلام علیکم“ جیسی عظیم دعاء اور پیارے ذکر کا متبادل بنا دیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخر گزارش یہ ہے کہ ہر ماہ شمارے میں تحریریں بھیجنے کے قواعد وضوابط پر مبنی تحریر اہتمام کے ساتھ نشر کی جاتی ہے۔تھوڑا وقت نکال کر اسے پڑھ لیا کریں۔اس کے بعد نہ تو سوال باقی رہیں گے اور نہ ہی جواب نہ آنے کا شکوہ۔رہی بات ”ادھوری ملاقات“ والے خطوط کے جواب کا سلسلہ بند کرنے کی تو جب آپ نے ایسے خطوط لکھنا ہی بند کر دیئے جن میں کوئی بات قابل جواب ہو تو جواب کا سلسلہ بند ہونا ہی تھا۔اب بھلا بُرے تبصروں پر کیا جواب لکھا جا سکتا ہے بھائی!؟؟؟

آپ سب بہت اچھے ہیں اور ہمارے لئے بہت قیمتی اور قابل قدر ہیں۔آپ ہیں تو اس بزم کی رونق ہے اور آپ کے دم سے ہی یہ محفل آباد ہے۔اور زیادہ کوشش کیجئے کہ ہم مل کر اسے بہتر سے بہتر طور مفید سے مفید تر بنا سکیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو ہمام

تمہاری جنت

محمد فیصل علی



بادل برس چکے تھے۔گلی کوچے پانی سے لبریز تھے اور چاروں طرف خاموشی کا سماں تھا۔موسم کی خرابی کی وجہ سے لوگ گھروں میں دبک کر بیٹھے تھے۔دکان دار اپنی دکانوں میں سمٹ کر بیٹھے گاہکوں کی راہ تک رہے تھے۔ان میں سے کچھ تو وقت سے پہلے ہی دکانیں بند کر رہے تھے،شاید وہ گاہکوں کی آمد سے مایوس ہو چکے تھے۔یہ اس بستی کی واحد مارکیٹ تھی۔زبیر صاحب اپنی دکان کا شٹر نیچے گرانے ہی والے تھے کہ ایک آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی:

”چچا جان!رکیے!میں نے ایک دوا لینی ہے“

زبیر صاحب جو کہ اس مارکیٹ میں اکلوتے میڈیکل سٹور کے مالک تھے،رک گئے اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گئے۔وہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔اس کی عمر بمشکل آٹھ برس ہوگی۔اس وقت وہ گیلے کپڑوں میں ملبوس تھا اور ہولے ہولے کانپ بھی رہا تھا۔

”خیر تو ہے بچے!کیا بارش میں بھیگ کر آئے ہو؟“زبیر صاحب نے اسے غور سے دیکھا

”جی چچا جان!“بچہ دھیرے سے مسکرایا تھا

”اوہو!شاید دور سے آئے ہو،اچھا بتاؤ کیا لینا ہے؟“زبیر صاحب نے پوچھا

جواب میں بچے نے جیب سے ایک پلاسٹک کے لفافے میں لپٹی پرچی نکال کر سامنے کر دی۔زبیر صاحب نے دیکھا یہ کسی ڈاکٹر برہان

احمد کا نسخہ تھا۔ نسخے پر کچھ ادویات کے نام درج تھے جبکہ ایک دوا کے نام پر دائرہ لگا ہوا تھا۔ زبیر صاحب سمجھ گئے کہ بچہ یہی دوا لینے آیا ہے۔ انہوں نے سٹور کی الماریوں میں رکھی ادویات کو غور سے دیکھا اور پھر گولیوں کا ایک پیکٹ کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

''کیا نام ہے آپ کا؟'' زبیر صاحب نے پیکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھتے بچے سے پوچھا

''نعمان'' بچے کے لب ہلے

''اچھا نعمان! یہ ہے آپ کی مطلوبہ دوا۔ یہ تو بلڈ پریشر کو نارمل رکھنے کے لیے ہے، کون استعمال کرتا ہے اسے؟'' زبیر صاحب نے پوچھا

''جی چچا جان! یہ ابو جان استعمال کرتے ہیں چونکہ گولیاں بالکل ختم ہو چکی تھیں اور اس گولی میں ناغہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے میں موسم کی خرابی کے باوجود یہ لینے آیا۔'' نعمان نے اعتماد سے بتایا

''شاباش! بہت اچھی بات بچے! گھر والوں کا کہا ماننا، ان کے کام کاج کرنا اور ہمیشہ جی ہاں کہہ کر کام کرنا بہت اچھی عادت ہے۔'' زبیر صاحب نے کہا

بچہ سر ہلانے لگا اور اس نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر دکان دار کی طرف بڑھا دیا۔ زبیر صاحب نے پیسے لیے اور بقیہ رقم نعمان کو تھما دی، پھر کہا:

''میرا بیٹا ارسلان تمہارا ہم عمر ہے۔ اسے جو بھی کام بتایا جائے، پہلے تو وہ خوب غصہ کرتا ہے، چیختا چلاتا ہے اور بھرپور انکار کرتا ہے پھر اس کے بعد وہ کام سرانجام دینے کے لیے بھی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پتہ ہے اس کا نقصان کیا ہوتا ہے؟'' زبیر صاحب نے سوالیہ انداز میں نعمان کو دیکھا

''نہیں چچا جان، مجھے معلوم نہیں ہے۔'' نعمان نے حیرت سے بولا

''اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسا بچہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔ وہ نیکی اور فرماں برداری کے کام کو تاوان سمجھ کر کرتا ہے اس لیے اسے کوئی اجر وثواب نہیں ملتا۔'' زبیر صاحب نے افسوس زدہ لہجے میں کہا

''اوہ! ہو! ایسا تو کبھی کبھار میں بھی کرتا ہوں۔'' نعمان نے پریشان کن لہجے میں کہا

''یہی تو مسئلہ ہے بچے، کاش بچے والدین کی اطاعت بارے میں احادیث پڑھ لیتے اور انہیں سمجھ لیتے تو ایسا نہ ہوتا۔'' زبیر صاحب نے کہا۔ وہ اب دکان سے باہر آ گئے تھے۔ یقیناً اب وہ دکان بند کرنے والے تھے۔

''چچا جان! کیا آپ مجھے ایسی کوئی حدیث مبارکہ بتا سکتے ہیں؟'' نعمان نے پوچھا

''کیوں نہیں، آپ صرف یہی ایک حدیث یاد کرلیں تو کافی ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ حضرت! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔" (ابن ماجہ)

زبیر صاحب نے حدیث سنائی۔ نعمان کو شاید یہ بات پوری طرح سمجھ نہیں آئی تھی چنانچہ اس نے پوچھا:

"اس کا کیا مطلب ہوا کہ جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی؟"

"بیٹے! اس کا مطلب ہے کہ اگر تم ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو وہ جنت ہیں ورنہ دوزخ" زبیر صاحب نے مسکرا کر جواب دیا

"شکریہ چچا جان! اب میں سمجھ گیا، اب میں ہمیشہ والدین کا کہا مانوں گا۔" نعمان نے عزم سے کہا

"یہ ہوئی نہ بات مردوں والی"

زبیر صاحب مسکرائے اور دکان کا شٹر نیچے گرانے لگے۔

****

عمر بن زبیر

دلوں کا کاربن

موٹر سائیکل ایک لیٹر میں پینسٹھ سے ستر کلو میٹر چلتی تھی۔ اچانک اس کی ایوریج خراب ہوگئی اور پینتالیس چھیالیس پہ آگئی۔ دو تین مکینکس کو دکھانے کے باوجود معاملہ قابو میں نہ آیا۔ پھر ایک مکینک نے اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک سینئر موسٹ کی طرف ریفر کر دیا۔ چنانچہ بائیک وہاں لے جائی گئی۔ اس نے ساری بات سنی اور" چھوٹے" کو آواز دی۔" چھوٹے" سے چھوٹا پیچ کس منگوایا۔

کاربوریٹر سے ایک پیچ کھول کر" چھوٹے" کو کہا کہ اسے بف لگا کے لاؤ۔ وہ ایک منٹ میں بف لگا کے لے آیا۔ مکینک نے پیچ اسی جگہ پہ لگا دیا اور کہا کہ جاؤ۔ انشاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ پیسے بھی اس نے کچھ نہ لئے۔ چند دن بعد نوٹ کیا تو گاڑی پھر ستر کلو میٹر پہ آگئی تھی۔ میں شکریہ ادا کرنے کے لئے گیا تو پوچھا کیا فالٹ تھا؟ مکینک بولا:" کاربن آگیا تھا"

صرف کاربن آجانے سے اتنا اثر پڑا؟

جی ہاں۔۔۔

دلوں پر بھی کاربن آجایا کرتا ہے۔ تب دل کسی نیکی کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

ایسے کاربن کو دور کرنے کے لئے جناب رسالتمآب ﷺ نے نسخہ ارشاد فرمایا... تلاوت قرآن



ہم غافل تو نہیں

مرزا ہاشم بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا کیونکہ آج اس کا دوسرا اور چھوٹا بیٹا صامت لندن سے تعلیم مکمل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاکستان آرہا تھا۔

”بابا! آپ خود کو مت تھکائیں...... صامی نے ادھر ہی آنا ہے“ مراد اپنے باپ کو یوں ٹہلتے دیکھ کر بولا

بچے تم کیا جانو باپ کی شفقت کو اتنے سالوں سے اپنے بچے سے دور رہا ہوں میں۔ اب اس کو اپنے گلے لگا کر اسے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب نے جواب دیا

مراد مسکرایا۔ صامت ائیر پورٹ پر خباب کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کی دوستی جہاز میں ہوئی تھی۔ اب تک وہ ایک دوسرے کو کافی حد تک جان چکے تھے اور تو اور وہ ایک ہی گاؤں کے رہائشی

تھے۔ یہ اتفاق جان کر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

صامت نے دیکھا کہ اس کے والد کا بھیجا گیا ڈرائیور اس کے نام کا بینر اٹھائے کھڑا تھا تو وہ خباب سے بولا:

''اچھا دوست! اب میں چلتا ہوں۔ میرا ڈرائیور آ گیا ہے۔''

خباب نے اس سے مصافحہ کیا۔ صامت نے اسے پیشکش کرتے ہوئے کہا کہ تم میرے ساتھ آ جاؤ۔ ویسے بھی ہماری منزل ایک ہی تو ہے۔ دونوں ساتھ اُتر جائیں گے۔

''نہیں میرے دوست! تم جاؤ سلامتی کے ساتھ بے فکر ہو کر...... میں خود چلا جاؤں گا۔'' خباب مسکرایا

''اچھا چلو جیسے تمہاری مرضی مگر اپنا وعدہ یاد رکھنا گاؤں پہنچتے ہی مجھے کال کر کے اپنی خیریت سے آگاہ کر دینا میں منتظر رہوں گا۔''

وہ چند گھنٹوں کے سفر میں اس کا بہترین دوست بن گیا تھا۔

''ان شاء اللہ۔'' خباب مسکرایا

دونوں نے ایک بار پھر مصافحہ کیا اور پھر دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے...... اس بات سے بے خبر کہ آگے کیا ہونے والا تھا۔

مرزا ہاشم کی بہت بڑی اور شاندار حویلی تھی۔ ملازموں کی ایک فوج تھی۔ صامت حویلی میں داخل ہوا۔ اتنے سالوں بعد وہ اپنے گاؤں اور حویلی میں داخل ہوا تھا۔ مرزا ہاشم مراد کے ساتھ باہر آیا۔ صامت کو دیکھتے ہی اپنے بازو پھیلا دیئے

''میرا بیٹا میرا شیر......! خوش آمدید۔'' صامت اپنے باپ کے گلے لگ گیا۔ صامت اس سے الگ ہوا پھر مراد کے گلے لگ گیا۔

''بھائی جان!'' مراد اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے بولا:

''خوش آمدید''

اس کی نگاہیں ان دونوں کے پیچھے کسی کو تلاش کرنے لگیں۔ مرزا اور مراد نے ایک دوسرے کو چور نگاہوں سے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ صامت کوئی سوال کرتا مرزا نے کہا:

''آؤ میرے بیٹے! تم کافی تھک گئے ہو۔ چلو چل کر کمرے میں آرام کرو!''

وہ تینوں ہال میں داخل ہوئے۔

''بابا جان! والدہ کہاں ہے؟''

مراد اور مرزا ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ جس بات سے ڈر رہے تھے بالآخر صامت نے وہی پوچھ لیا۔ ان دونوں کو خاموش دیکھ کر صامت نے کہا:

''بابا! بتائیے! امی جان کہاں ہیں؟''

مرزا آگے بڑھا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور بولا:

''تمہاری والدہ کو انہوں نے قتل کر دیا۔'' یہ

کہہ کر مرزا دوسرا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ کر رو پڑا۔
صامت نے بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھا پھر غصے سے مرزا کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹاتے ہوئے بولا:

”ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ نہیں ہوسکتا میری والدہ نہیں مر سکتی۔“ صامت صوفے پر گرنے کے انداز سے بیٹھ گیا۔اس نے اپنے سر کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔مرزا اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا:

”میں جانتا ہوں بیٹا کہ تمہیں لاعلم رکھ کر میں نے غلط کیا۔مگر میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔“

”تکلیف!!! کس تکلیف کی بات کر رہے ہیں آپ؟ کیا اب مجھے تکلیف نہیں ہو رہی؟ آپ نے مجھے نا بتا کر بہت غلط کیا...... میں تو اپنی والدہ کا آخری بار دیدار بھی نہیں کرسکا۔“ صامت پھر سے رو پڑا

مراد نے سر نفی میں ہلایا۔

”بیٹے! صبر سے کام لو!“ مرزا نے کہا۔

صامت نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور کہا:

”کس نے کیا ہے میری والدہ کا قتل؟

اُنہی لوگوں کا کیا دھرا ہے جو ہمیں کافر کہتے ہیں۔ہمیں اسلام سے خارج کرتے ہیں۔ٹارگٹ تو میں تھا ان کا مگر بد قسمتی سے تمہاری والدہ ان کی زد میں آ گئی۔“

”میری والدہ کی آخری آرام گاہ پر لے جائیں مجھے“ صامت آنسو بھری آنکھوں سے بولا

”تمہاری والدہ کی قبر حویلی کے صحن کے آخری حصے میں بنائی ہے۔آؤ میرے ساتھ!“ مرزا کے ساتھ صامت اور مراد چل پڑے۔

صحن کے ایک کونے میں ایک درخت کے نیچے ایک قبر موجود تھی۔اس قبر کی مٹی ابھی تازہ تھی۔صامت قبر کو دیکھتے ہی رو پڑا۔

”امی جان! یہ آپ کے ساتھ کس نے کیا؟ میں تو آپ سے مل بھی نا سکا۔میں نے آپ کو بہت یاد کیا تھا مگر دیکھیں آپ کو گلے سے لگا کر آپ کا پیار اور آپ کی شفقت پانے کی تمنا بس تمنا ہی رہ گئی۔“

مراد بے زاری سے یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔اسے ان سب سے کوئی سروکار نہ تھا۔مرزا صامت کے پاس بیٹھ گیا۔صامت نے قبر کی گیلی مٹی اپنی مٹھی میں لی اور کہا:

”میں قسم کھاتا ہوں امی جان! جس نے آپ کے ساتھ یہ کیا میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔“ مراد اور مرزا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

صامت نے کہا: بابا کس نے کیا ہے یہ۔مجھے اس کا نام بتائیں۔

”ب ب...... بیٹا! بتا دوں گا مگر فی الحال تو مجھے خود بھی نہیں پتہ۔آؤ بیٹا! تم تھکے ہوئے ہو آرام کرو! پھر مل بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ مرزا ہکلایا

۔مرزا نے اسے اُٹھایا اور اندر لے گیا۔

''چلو بیٹا! جا کر آرام کرو پھر تفصیل سے بات ہوگی۔'' صامت اپنے کمرے میں چلا گیا۔ صامت کے جاتے ہی مراد نے کہا:

''بابا! اب کیا ہوگا؟ ہم صامی کے غصے کو کیسے ٹھنڈا کریں گے؟ آپ جانتے ہیں وہ جو کہتا ہے وہ کرتا ہے۔''

مرزا ہاشم مکروہ ہنسی ہنسا: فکر نہ کرو میرے فرزند! میں ایسی چال چلوں گا کہ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ ہم صامی کے غصے کا بھرپور فائدہ اُٹھائیں گے۔ ارے ہاں یاد آیا ذرا اس جامع مسجد کے امام کا حال احوال تو بتانا ابھی تک زندہ ہے یا مر گیا؟

''بابا! ابھی تک وہ زندہ ہے۔ سنا ہے کہ وہ بہت زیادہ علیل ہے بستر سے لگ گیا ہے اور اب اس کی خدمت کے لیے اس کا پوتا آرہا ہے۔''

''ہوں یعنی کہ وہ بوڑھا بھیڑیا دو تین دنوں کا مہمان ہے۔ بہت خوب۔ اس کے بعد اس پورے گاؤں کا کنٹرول ہمارے ہاتھ میں آجائے گا۔ اس بوڑھے بھیڑیے نے ہمارا راستہ روکا تھا۔ اس سے پہلے اس کے بیٹے نے ہماری ناک میں دم کر رکھا تھا۔

اچھا ہے۔ بہت اچھا ہے۔ اب اس طرح ہم کھل کر کام کریں گے۔ اب اس مسجد کے لیے امام کی جگہ خالی ہوگئی ہے۔ اب کھل کر کام کرنے کا وقت آگیا ہے۔ کل ہی ان تمام غریب کسانوں کو جن پر کسی کا قرضہ ہے انہیں حویلی بلالینا آگے کا کام میں خود کروں گا۔''

''جی بابا جان! اپنے دین کو پھیلانے کے لیے مجھ سے جتنا ہو سکا میں وہ کروں گا۔''

''شاباش میرے شیر! مرزا نے مراد کو تھپکی دی اور ہاں صوفی کو خبر کرنا۔ کہاں مر گیا ہے یہ بے وقوف لڑکا۔ جب بھی کوئی اہم کام ہوتا ہے یہ چوہے کی طرح کونوں کھدروں میں جا چھپتا ہے۔''

''جی بابا! میں صوفی کو آپ کا پیغام بھیج دوں گا۔'' مراد وہاں سے نکل گیا۔ مرزا آگے کا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔

خباب گاؤں پہنچ گیا تھا۔ جامع مسجد کے ساتھ اس کا چھوٹا سا گھر تھا۔ خباب گھر میں داخل ہوا تو خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ سفری بیگ رکھ کر وہ دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو مولانا ابوالہیثم لیٹے لیٹے نماز ادا کر رہے تھے۔ خباب ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے لگا۔

مولانا پہلے بھی بیمار رہتے تھے مگر پھر مسجد کی سیڑھیوں سے بری طرح پاؤں پھسلنے کی وجہ سے ان کی کمر اور دائیں ٹانگ کی ہڈی میں بری طرح کھچاؤ آگیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بستر سے لگ گئے تھے اور نماز بھی لیٹے لیٹے ادا کرتے تھے۔ گاؤں والے مولانا کی بہت عزت کرتے تھے۔

اس مشکل گھڑی میں وہ ان کے ساتھ رہے تھے۔ کھانا، پینا، اوڑھنا بچھونا، صفائی ستھرائی ساری ذمہ داری گاؤں والوں نے لے رکھی تھی۔

مولانا ان کے لیے کسی نعمت سے کم نہ تھے۔ پچھلے پچاس سالوں سے وہ اس گاؤں کی واحد جامع مسجد میں امام کے فرائض سرانجام دیتے آرہے تھے۔ کوئی بھی مسئلہ ہوتا گاؤں والے فوراً مولانا سے مسئلہ پوچھتے اور مولانا قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ حل کرتے۔ اب مولانا کے بیمار ہونے کی وجہ سے مسجد میں امام کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جارہا تھا۔

یہ گاؤں زیادہ بڑا نہ تھا اور نہ ہی شہر جیسی سہولیات یہاں میسر تھیں۔ یہاں کے لوگ سیدھے سادھے تھے۔ زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے تھے اس بار گاؤں میں بہت زیادہ بارشیں ہوئیں تھیں جس کی وجہ سے فصلوں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ اسی وجہ سے بہت سے کسانوں نے قرض لیا تھا اور اب انہیں یہ قرض چکانا تھا اور ان کی اسی مجبوری سے مرزا ہاشم فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

............*

مولانا ابوالہیثم نے جونہی سلام پھیرا تو خباب ان سے لپٹ گیا۔

''دادجان! داداجان!''

''ارے میرے بچے......! کب آئے تم سعودیہ سے؟''

''بس چچا رحمت سے جونہی آپ کی طبعیت کا پتہ پڑا تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا تو میں فوراً سے بیشتر پہلی فلائٹ لے کر پہنچ گیا۔''

''کیا ضرورت تھی بچے پڑھائی چھوڑ کر آنے کی۔ مجھ بوڑھے کی یہی چند گنی چنی سانسیں رہ گئیں ہیں۔''

''داداجان! ایسا تو نہ کہیں۔ آپ نے مجھے عالم بنتے دیکھنا ہے۔ یہ میرآخری سال ہے۔ ان شاء اللہ عالم بننے کے بعد آپ کے ساتھ عمرہ کرنے جاؤں گا۔''

مولانا مسکرائے تمنا تو بڑی ہے بچے مگر اب نہیں لگتا کہ میں بستر سے اٹھ سکوں گا۔

''داداجان!''لاتقنطوا من رحمۃ اللہ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔''

مولانا مسکرائے۔ ماشاء اللہ میرا بیٹا تو بڑی خوبصورت باتیں کرتا ہے۔

''الحمد للہ داداجان! آپ کی دعائیں ہیں اب بس آپ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں۔'' دادا جان مسکرائے۔ پھر بولے:

''مگر بیٹا! میں جب تک ٹھیک ہوجاؤں تک تک مسجد میں امام کی ضرورت پڑے گی۔ کوئی ایسا ہو جو امام کے فرائض سرانجام دے سکے اور لوگوں کے مسائل حل کرسکے۔ میں بہت فکرمند ہوں۔''

''آپ فکر نہ کریں داداجان! اللہ کوئی نہ کوئی

سبیل ضرور نکالے گا۔"

دادا جان نے سرہاں میں ہلا دیا۔

"دادا جان! ہم شہر میں اچھے سے ڈاکٹر سے آپ کا علاج کروائیں گے۔ ان شاء اللہ آپ جلد ٹھیک ہو کر دوبارہ مسجد کے امام والے فرائض سرانجام دیں گے۔"

"آمین۔ ان شاء اللہ بیٹے!"

مولانا نے پورے گاؤں میں منادی کروائی کہ ہمیں مسجد میں امام کی ضرورت ہے۔ جو بھی اپنی خدمت پیش کرنا چاہتا ہے وہ حاضر ہو جائے۔ دراصل مولانا اس فرض سے فارغ ہو کر اطمینان سے اپنے علاج کے لیے جانا چاہتے تھے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ ہو نہ ہو۔

مرزا کے لیے یہ بہت خوش کن موقع تھا۔ وہ یہی تو چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے صوفی کو بلایا۔

"جی محترم! آپ نے اس بندہ ناچیز کو یاد فرمایا۔"

"آہ......! ڈائیلاگ تو سنو اس کے ذرا! کام کی بات سنو!"

"جی سنائیں!"

"سنو! اس مسجد کا جو بوڑھا مولانا تھا وہ سخت بیمار ہے اور کیا پتہ کب اس کی روح پرواز کر جائے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے یہ اعلان کروایا ہے کہ اسے مسجد کے لیے امام کی ضرورت ہے۔"

"تو پھر! کہیں آپ مجھے تو امام بنانے کا نہیں سوچ رہے، اگر ہاں تو معذرت جناب! مجھے تو الف ب بھی نہیں آتا۔ امامت تو بجا میں نے آج تک ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور آپ چلے ہیں مجھے مسجد کا امام بنانے۔"

"استغفر اللہ تمہیں کون امام بنائے گا تم تو خود گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہو" مرزا نے کہا

"خود کو تو دیکھو جیسے دودھ کا دھلا ہوا ہو۔ مجھے گناہوں کی لسٹ میں ڈال رہا ہے۔ خود ہی بڑا جہنمی ہے۔" صوفی نے زیر لب کہا

"کچھ کہا تم نے؟"

"جی جناب! بس آپ کی شان میں چند تعریفی کلمات کہہ رہا تھا۔"

"چھوڑ! اس خوشامدی کو۔ میری بات غور سے سنو! تم اس مولانا کے گھر جاؤ گے۔ تمہیں جانتا ہوں اچھی طرح سے کہ تم اپنی باتوں سے لوگوں کو کیسے رام کرتے ہو؟ اب اس مولانا کو بھی گھیرنا ہے۔"

"مگر کرنا کیا ہے جناب؟"

"کرنا یہ ہے کہ تم مجھے اس بوڑھے کے سامنے امام کے طور پر پیش کرو گے۔ تم تو جانتے ہوناں کہ ادھر گاؤں میں میں نے اپنا اصل نام چھپا کر مولانا عبدالشکور کے نام سے خود کو عام کیا ہوا ہے اور میری تعریف میں آسمان زمین ایک کرو گے۔"

"ہیں ل ل......امام......آپ امام بنیں

گے؟؟"

"کیوں کیا میں امام نہیں بن سکتا؟ آخرا بھی تو موقع ملا ہے مجھے اپنے مذہب کے لیے کام کرنے کا۔میری بات تم سمجھ گئے ہوناں؟"

"جی محترم! سمجھ گیا آپ بے فکر رہیں اور اپنے صوفی پر بھروسہ کریں۔سب سیٹ ہوجائے گا۔فکرناٹ۔ریلیکس!"

"انگریز کی اولاد! چھوڑو یہ ڈائیلاگ اور جا کر اپنا کام کرو!"

"جی محترم......!"صوفی وہاں سے روانہ ہوا۔ صوفی وہاں سے سیدھا مولانا کے گھر آیا اور مرزا ہاشم کو مولانا کے طور پر پیش کیا۔چونکہ مرزا نے اپنی اصلیت پورے گاؤں سے چھپا رکھی تھی اور یہاں مولانا عبدالشکور کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی اصلیت جاننے والوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ صوفی نے اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیا تھا۔

مولانا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا،ٹھیک ہے۔کل تم اسے لے آنا میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔

"جی بہتر جناب!اچھا اب اس بندہ ناچیز کو اجازت دیجئے میں چلتا ہوں۔"

مولانا نے سرہاں میں ہلا دیا۔صوفی وہاں سے چلا گیا اور پھر جا کر یہ خوشخبری مرزا کو سنائی۔مرزا بے حد خوش ہوا تھا۔اسے صوفی سے یہی توقع تھی۔اس نے صوفی سے کہا کہ وہ کل ہی اسے مولانا کے گھر لے جائے۔صبح کو اس نے مراد کو پوری صورتحال سے آگاہ کیا اور یہاں کے کام اور انتظامات اس کے سپرد کرکے وہ صوفی کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

اس نے زندگی میں پہلی بار سفید شلوار قمیض پہنی تھی ورنہ تو وہ کرتا اور پاجامہ ہی پہنتا تھا۔اس نے پگڑی باندھی، یہ بھی وہ پہلی بار باندھ رہا تھا۔ اس سے پگڑی باندھی ہی نہیں جا رہی تھی۔

بالآخر مراد کی مدد سے اس نے جیسے کیسے کرکے پوری طرح نا سہی مگر تھوڑی بہت صحیح سے باندھ لی۔اب وہ صوفی کے ساتھ مولانا کے گھر روانہ ہوا۔وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار مولانا کے گھر کی طرف رواں دواں تھا۔رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ صوفی کو بھی پیچھے چھوڑ آیا تھا۔جب گردن موڑ کے دیکھا تو وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔اس نے بلند آواز میں اسے ڈانٹ کر کہا:

جلدی آؤ کہاں مر گئے ہو۔اپنی رفتار تو دیکھو تم سے زیادہ تو چیونٹی بھی تیز رفتاری سے چلتی ہے۔ جلدی آؤ بے وقوف۔

صوفی منہ بناتا ہوا وہاں سے دوڑ کر آیا۔اس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔

آؤ چلو......مرزا اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مولانا کے دروازے پر کھڑے تھے۔ وفی نے ہی دستک دی تھی۔خباب نے

دروازہ کھولا تھا۔خباب ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

صوفی نے اپنا تعارف کروایا اور کہا کہ میں کل مولانا سے ملنے آیا تھا یہ مولانا عبدالشکور صاحب ہیں یہ مسجد میں اپنی خدمات پیش کرنا چاہتے تھے۔خباب نے ان دونوں کو دیکھا پھر انہیں لے کر اندر داخل ہوا۔

مولانا باہر صحن میں ہی تشریف فرما تھے۔اب وہ تھوڑی بہت حرکت کر سکتے تھے مگر پھر بھی وہ مکمل طور پر صحتیاب نہیں ہوئے تھے۔

''داداجان! صوفی صاحب آئے ہیں۔''مولانا نے آنکھیں کھولیں اور ان دونوں کو دیکھنے لگے۔

پھر انہوں نے مرزا کو سر لے کر پاؤں تک بغور دیکھا۔وہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا،اس کی پگڑی دائیں طرف ڈھلک کر لڑھک رہی تھی۔دونوں کی سانسیں پھولی ہوئیں تھی جیسے کسی مقابلے میں دوڑ کر آئے ہوں۔

''مولانا جی! ان سے ملیے یہ ہیں مرحوم مولانا عبدالشکور......'' مرزا نے غصے سے صوفی کو گھورا تو صوفی نے جلدی سے اپنے لفظ کی تصحیح کی۔

''میرا مطبل ہے محروم مولانا عبدالشکور۔''

''صوفی صاحب! نا مرحوم نا محروم بلکہ محترم کہا جاتا ہے۔''خباب مسکرایا

''ہاں ہاں میرا بھی وہی مطلب ہے کہ محترم عبدالشکور صاحب ہیں۔''

مولانا نے گہری سانس لی پھر خباب کو اشارہ کیا تو اس نے سہارا دے کر مولانا کو اُٹھایا تو وہ قدم قدم چلتے ہوئے مرزا کے پاس آئے۔

''اچھا تو تم مسجد امام کے فرائض سرانجام دینا چاہتے ہو؟''

''جی! جی مولانا صاحب......!'' مرزا خوش ہو کر جلدی سے بولا

''جسے صحیح سے پگڑی باندھنا نہ آتی ہو وہ چلا ہے امام مسجد بننے''

''وہ ......وہ...... مولانا صاحب! ہم جلدی میں آئے تھے ناں تو ٹیڑھے میڑھے راستوں پر چلنے کی وجہ سے میری پگڑی ڈھلک گئی، میں ابھی ٹھیک کرتا ہوں۔'' مرزا ہڑبڑایا

''رہنے دو! میں ٹھیک کرتا ہوں''

پھر مولانا خباب کا سہارا لے کر اس کی پگڑی باندھنے لگے۔

''ایسی بھی کیا جلدی تھی کہ تم اتنا جلدی اور بھاگ بھاگ کر آئے۔''

یہ سن کر مرزا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

(جاری ہے)

............*



بلیک پری

عطاء السلام سحر



سورج کی کرنیں لمحہ بہ لمحہ مدہم ہوتی جا رہی تھیں۔ ہلکا ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا۔ بالآخر! سورج مغرب کی جانب سمندر پار کہیں غروب ہو گیا۔

اُسے منع کیا گیا، مگر! وہ کسی بات پر کان دھرنے کی بجائے اپنے فلسفے جھاڑنا شروع ہو جاتا۔ وہ اپنی ضد پر ڈٹا رہا، سب کو پیارا تھا۔ بس اس کی ضد کے آگے ماں باپ چپ ہو جاتے تھے۔ اُسے جو کرنا ہوتا کر گزرتا تھا۔

............*

"کیا تماشا بنا رکھا ہے یار؟ احمد! آپ تو مجھے پاگل لگتے ہیں۔" خاطر نے غصے سے چلّا کر کہا۔

دونوں آپس میں گہرے دوست تھے۔ اس طرح کی تو تکرار ان کے درمیان اکثر ہوتی رہتی تھی۔

"میں پاگل نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے کسی کا ڈر ہے۔ میں تو بس مناسب وقت کے انتظار میں ہوں۔ لوہا گرم ہوتے ہی میں ہتھوڑا مار دوں گا۔" احمد نے بڑے شاطرانہ انداز میں اُسے جواب دیا۔

"یار! وہ دیکھو! راشد نے بھی 125 ہنڈا کل ہی شوروم سے اتارا ہے۔ اب وہ بھی ہمارے سامنے نواب ٹھا کر خان بنا پھرتا ہے، جو کل تک ہمارے سے موٹر سائیکل مانگ کر چلایا کرتا تھا۔" خاطر نے قدرے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"راشد کی ایسی کی تیسی! بس آپ چند دن مزید صبر کریں، میں یہ سی-ڈی 70 بیچ کر بقیہ پیسے ملا کر بلیک 125 ہنڈا خریدوں گا۔ میں دیکھوں گا پھر کون نواب ٹھا کر خان ہے۔" احمد ایک طنزیہ مسکراہٹ مُونہہ پر بکھیرتے ہوئے اکڑ کر دونوں ہاتھ فاتحانہ انداز میں لہراتے ہوئے کہنے لگا۔

اُس کا بچپن بڑا ہی شاندار گزرا تھا۔ وہ اپنے ماں، باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اُسے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ساتھ ہی محلے میں واقع مدرسے میں داخل کرایا گیا، چند ماہ پڑھنے کے بعد اُس نے مدرسے جانے سے انکار کر دیا۔

"میں نے نہیں پڑھنا! بس! بہت ہو گیا،

روزانہ قاری صاحب کا نیا ڈراما ہوتا ہے۔ کبھی کہتا ہے یوں پڑھو تو کبھی آپ تلفظ کی ادائیگی ٹھیک نہیں کر رہے، مار بھی خوب پڑتی ہے۔ بس! میں نے نہیں پڑھنا۔" اُس نے ضد میں آ کر مدرسے جانا چھوڑ دیا اور درج بالا وجوہات بتائیں۔

"بیٹا! استاد کی مار برداشت کرنا پڑتی ہے۔ یوں ہی تو لوگ کندن نہیں بن جاتے ناں!" اس کی ماں نے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! بس میرا دل نہیں لگتا" اس نے مُونہہ بناتے ہوئے کہا اور ٹپ ٹپ آنسو بہانا شروع کر دیے۔

"اچھا بیٹا! رہنے دو! آپ مدرسے نہ جانا، آپ کا رونا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔" اُس کی ماں نے پیار سے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور اُس کے آنسو اپنی چادر سے پونچھنے لگی۔

............*

مکرم صاحب کالج میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز تھے۔ وہ کالج میں فزکس پڑھاتے تھے۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد اکیڈمی پڑھانا اور چند ایک بچوں کو گھر پر بھی ٹیوشن پڑھانا ان کی مصروفیات میں شامل تھا۔

"اُففففو! کیا ہی گرمی تھی، آج تو میری جان ہی نکال دی۔" پسینے میں شرابور مکرم صاحب گھر میں داخل ہوئے تو بیگم صاحبہ کو دیکھتے ہوئے کہا مگر! انہوں نے نظر انداز کر دیا۔ وہ مکرم صاحب کو تو ایسوسی ایٹ پروفیسر مشکل سے ہی مانتی، مگر! خود کو پروفیسر ہی سمجھتی تھی۔ سارا دن پڑھاتے ہی رہنا بس! بندہ بالآخر! اکتا ہی جاتا ہے۔

"سدرہ! کھانے میں کیا پکایا ہے؟" اس نے پیار بھرے انداز میں اپنی بیگم صاحبہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آلو بینگن پکائے ہیں" اس نے مختصر جواب دیا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"بس! آپ ہمیشہ اپنی من مانی ہی کرتی رہنا۔ آج چوتھا دن ہے وہی آلو بینگن، آلو بینگن ......اور کوئی سبزی اس دنیا میں نہیں ہے۔ تجھے پسند ہیں، میرے لیے تو عذاب نہ بنا رکھو!" اس نے غصے سے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

دراصل مکرم صاحب آلو بینگن نہیں کھایا کرتے تھے۔

"نہیں، نہیں، میں آپ کو روز حلوہ پوری ہی کھلایا کرونگی۔ آلو بینگن تو آپ کے حلق میں اٹک جاتے ہیں ناں!" سدرہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مکرم صاحب درد کو عرق سمجھ کر پی گئے۔

رات گزر گئی۔ صبح کا ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ دسترخوان لگ چکا تو سدرہ نے احمد کے بارے میں بتایا۔

"احمد مدرسے پڑھنے نہیں جائے گا۔ اب اسے کسی سکول میں داخل کرا دو!"

"کیوں؟ کیا ہوا؟" مکرم صاحب نے تعجب سے پوچھا۔

"بس! اس کا مزاج قاری صاحب سے میل نہیں کھاتا، لہٰذا اسے سکول میں ہی داخل کرا دو!" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"اچھا میں کل کسی اچھے سکول میں جا کر اس کا بندوبست کرتا ہوں" انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ کالج جانے کا وقت ہو چکا تھا۔ تیاری کی اور کالج کی طرف چل پڑے۔

............*

"بیٹا! آپ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں، سورج سر پہ آچکا ہے، خدا کے لئے اب تو اٹھ جاؤ!" سدرہ نے اپنے لاڈلے بیٹے احمد کو بازوؤں سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بس! آپ بھی میرے لئے عذاب کھڑا کر دیتی ہیں، کبھی آرام سے نہ سونے دینا۔" نیند سے جاگنے کے بعد اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ وہ چارپائی سے اٹھ کر سیدھا واش روم میں چلا گیا۔ وہاں سے تازہ دم ہو کر ڈائننگ ہال میں آبیٹھا۔ سدرہ نے کھانا لا کر دیا۔

"بیٹا! میری آپ کے ابو جان سے بات ہو چکی ہے۔ وہ آپ کو سکول میں داخل کرا دیں گے۔ آپ نے وہاں دل لگا کر پڑھنا ہے۔ مستقبل میں آپ کو میں ایک کامیاب شخص کے طور پر دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس کی ماں نے اپنے دل کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے اس سے کہا اور ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں! ہاں! پڑھوں گا۔" اس نے لقمہ چباتے ہوئے جواب دیا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ گھر سے نکلا اور اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا۔ شام کو جب گھر واپس آیا تو اس نے ایک نیا ڈراما کھڑا کر دیا۔

"امی! میری بات سن لیں! سب سے پہلے تو یہ والی سی-ڈی 70 موٹر سائیکل بیچ کر مجھے 125 ہنڈا لے کر دیا جائے۔ کل پرسوں تک ابو کو بھی تنخواہ مل جائے گی۔ ایسے تو میں سکول کبھی نہیں جاؤں گا۔" اس نے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے اپنا مونہہ بنا کر کہا۔

"پھر تجھے کسی دوست نے یہ راگ الاپنے کو کہا ہوگا ناں؟" سدرہ نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"مجھے اور کوئی بات نہیں سننی، جو کہہ دیا، بس کہہ دیا۔ آپ ابو جان کو قائل کرنا، نہیں تو پھر کچھ اچھا نہیں ہوگا۔" اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

ایک ہفتہ ہی نہ گزرنے پایا تھا اس کی 125 ہنڈا لینے کی خواہش پوری کر دی گئی۔ اب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر آئے روز کہیں نا کہیں جانے کے لیے تیار ہوتا۔ سکول پڑھنے کیا جاتا، وہاں پر تو وہ مشکل سے گزر بسر کرتا، چھٹی ہوتے ہی وہ ایسے غائب ہو جاتا جیسے اس نے گھر واپس آنا ہی

نہ ہو۔ رات گئے تک آوارہ دوستوں کے ساتھ بدمست رہنے کے بعد گھر لوٹتا تو اس کی امی روز اسے سمجھانے کی کوشش کرتی، پانی سر سے گزر چکا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی دن بدن بگڑتا ہی چلا گیا۔

............*

"دیکھ خاطر! بالآخر! میں نے 125 ہنڈا لے کر ہی دم لیا ہے۔ آپ سے کہا تھا ناں! کہ بس مجھے لوہا گرم ہونے کا انتظار ہے۔ میں نے مناسب وقت پر ہتھوڑا مارا اور یہ رہی ہماری "بلیک پری" جس کا خواب ہم نے اپنی آنکھوں میں سجایا ہوا تھا۔" اس نے اپنے موٹر سائیکل کی سیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

"واہ یار! آپ بڑے ٹیکنیکل بندے ہیں۔ ہاں! اب میں نے مان لیا ہے کہ راشد نہیں بلکہ آپ ہی نواب ٹھاکر خان ہیں۔" خاطر نے چاپلوسی کرتے ہوئے کہا۔ وہ سارا دن نکما پھرتا اور احمد کے پیسوں پر عیاشی کرتا تھا۔ اپنی چالاکی سے اس نے احمد کے دل میں خاص جگہ بنا رکھی تھی۔

............*

سورج اپنی کرنیں آسمان پر بکھیرتے ہوئے طلوع ہوا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ احمد عام طور پر پہلے کی نسبت آج نیند سے جلدی جاگا اور سیدھا واش روم میں چلا گیا۔ نہا دھو کر اس نے تیاری کی اور اپنی بلیک پری کو گھر کے بڑے دروازے سے نکالا اور باہر کھڑا کر دیا اور خود چارجنگ پہ لگا موبائل اٹھانے کے لیے اندر چلا آیا۔

"چارجر نے بھی بڑا ذلیل کر رکھا ہے۔ ابھی تک اس نے بیٹری 55 فیصد ہی چارج کی بس۔۔۔۔۔!!" اس نے غصے میں چارجر کا پلگ موبائل سے نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے! خیر تو ہے؟ کہاں جا رہے ہو صبح سویرے؟ ناشتہ تو کر لیتے۔" سدرہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں! بس میں جا رہا ہوں پہلے بھی کافی دیر ہو چکی ہے۔ ایک دوست کو ملنا ہے بس میں دس بجے تک واپس آجاتا ہوں پھر کھانا کھا لوں گا۔" اس نے جلدی سے باہر کی طرف جاتے ہوئے مختصر جواب دیا۔ اس نے اپنی بلیک پری کو سٹارٹ کیا اور سیدھا بائی پاس کی طرف چل پڑا۔

اتوار کا دن تھا۔ سکول سے چھٹی تھی۔ اس نے دل میں ٹھان لی تھی کہ آج ون ویلنگ اور ریس لگانے کی پریکٹس کروں گا۔ میرا بھی ایک دن نام ہوگا۔

بائی پاس پر پہنچنے کے بعد اس نے بارہا ون ویلنگ کرنے کی کوشش کی، مگر! ناکام رہا۔ پھر اس نے ریس لگانا شروع کر دی۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ بلیک پری کو دوڑائے جا رہا تھا۔ اطراف

کے تمام درخت اس سے پیچھے کی طرف بھاگ رہے تھے۔اس نے رفتار اور بھی زیادہ کر دی۔
بائیں طرف درختوں کے جھنڈ میں سے آتی چھوٹی سڑک پر سے جمیل اپنے دو چھوٹے بچوں کے ساتھ جنہیں اس نے موٹر سائیکل پر بٹھا رکھا تھا، نمودار ہوا۔اسے کیا خبر تھی کہ آج میں اپنے معصوم بچوں سمیت اپنے اہل و عیال کو روتا ہوا چھوڑ کر اس دنیا سے چلا جاؤں گا۔
ہونا کیا تھا؟ احمد کی نظر اچانک ہی ان پر پڑی تو "بلیک پری" سنبھالی نہ گئی۔موٹر سائیکل ٹکرانے کا جو منظر تھا وہ بڑا ہی خوف ناک تھا۔ دونوں موٹر سائکلیں آپس میں ٹکرانے کے بعد کافی دور تک قلابازیاں کھاتی گئیں۔
جمیل اپنے دونوں بچوں سمیت موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ بائی پاس سے اکا دکا کوئی ٹرک یا موٹر کار گزر جاتی۔ورنہ! اکثر سنسان ہی دکھائی دیتا۔اس دن بھی وہاں کار پر گزرنے والے ایک رحم دل مسافر نے رک کر ایمبولینس والوں کو فون کیا تو وہ حادثے کی جگہ پر فوراً پہنچے۔احمد کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں۔ناک، مونہہ اور کانوں سے خون فوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔اسے فوراً ہسپتال لے جایا گیا، شناخت ممکن نہ تھی۔اس کی جیب سے ملنے والا اسکول کارڈ جس پر سکول کے سربراہ کا رابطہ نمبر درج تھا۔اسے کال ملائی گئی اور کارڈ پر درج شدہ نام بھی بتایا گیا تو انہوں نے فوراً پہچان لیا۔چند لمحے بعد مکرم صاحب کو بھی حادثے کی خبر مل چکی تھی۔
سدرہ اپنے بیٹے کے حادثے کی خبر سن کر دھڑام سے فرش پر گری اور بے ہوش ہو گئی۔مکرم صاحب نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سنبھالنے کی کوشش کی اور جلدی سے کپڑے تبدیل کئے، اے-ٹی-ایم کارڈ سنبھالا، گیراج سے کار باہر نکالی، تب تک سدرہ بھی ہوش میں آ چکی تھی۔ دونوں کار میں سوار ہوئے اور ہسپتال کی جانب چل پڑے۔ان کے ہسپتال تک پہنچنے سے پہلے ہی احمد جان کی بازی ہار گیا۔
شور و ماتم کی حالت میں اس کی لاش کو ایمبولینس کے ذریعے گھر تک لایا گیا۔ عزیز و اقارب کو اطلاع کر دی گئی تھی۔تجہیز و تکفین کا بندوبست شروع ہو چکا تھا۔سدرہ دھاڑیں مار مار کر روئے اور کہے جا رہی تھی۔
"انسانیت مر گئی۔۔۔ڈاکٹر بے حس ہو چکے ہیں۔۔۔اگر! ڈاکٹر میرے بیٹے پر تھوڑی سی بھی توجہ دیتے تو میرا بیٹا بچ سکتا تھا۔ یہ سب ان کی غفلت سے ہوا۔۔۔ ہائے! میں لٹ گئی۔۔۔مجھ سے میرے جگر کا ٹکڑا چھن گیا۔۔۔"
مقررہ وقت پر جنازہ پڑھ کر دفنا دیا گیا اور کر ہی کیا سکتے تھے؟
ماں، باپ کے حد سے زیادہ لاڈ اور پیار نے کہاں سے کہاں لا کھڑا کر دیا۔
............*

ہائے میرا پاؤں



”حمزہ! حمزہ! رکو! کہاں جا رہے ہو؟“

امی میرے پیچھے پیچھے تھیں اور میں آگے آگے۔ میں نے پٹ سے دروازہ کھولا اور باہر بھاگ گیا۔

”اندر آؤ! دیکھو! میں کچھ نہیں کہوں گی“ امی پردے کی اوٹ میں کھڑی مجھ سے مخاطب تھیں اور میں گلی میں سامنے والی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ امی کچھ نہ کہتیں۔ آخر میں نے ان کی پسندیدہ ڈنر سیٹ کی پلیٹ توڑی تھی۔ کوئی ایک آدھ ہڈی تو وہ میری ضرور توڑنے والی تھیں۔ اب دیکھو بیچارے پردے کو ہی امی نے اتنی زور سے مٹھی میں دابا ہوا تھا۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو کیا حال ہوتا میرا۔ بس اسی خوف نے مجھے گھر نہیں جانے دیا۔

امی مجھے لعن طعن کر کے اندر چلی گئیں اور مجھے گلیوں کی آوارگی نے کھینچ لیا۔

میں نے سوچا زین سے ملنے جاتا ہوں اور جا بھی رہا تھا مگر ۔۔اف۔۔۔ یہ کتا!!

ایک تو صدیق انکل کو بھی پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے، اپنا یہ ڈراؤنا کتا گلی میں ہی باندھ دیتے ہیں۔ دیکھو کیسے پھیل کہ بیٹھا ہے بدتمیز جیسے کہہ رہا ہو۔

”آج گزر کے دکھاؤ!“

بتاتا ہوں اس کتے کو۔ شاید یہ مجھے جانتا

نہیں ہے۔میں اس سے زیادہ خطرناک ہوں۔

میں نے ایک پتھر اٹھایا اور دے مارا، نشانہ چوک گیا۔ کتے نے زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا۔ ہاہاہا۔۔۔اسے تنگ کر کے بڑا مزہ آیا۔لیکن جب وہ بھونکا تو میں ڈر کے مارے بھاگ کھڑا ہوا۔مگر مجھے اپنے پیچھے بھونکنے کی آواز آرہی تھی۔

مڑ کر دیکھا تو وہ بھی میرے پیچھے آرہا تھا

ہائیں۔۔۔کیا یہ کھلا ہوا تھا۔میں نے دوڑ لگا دی۔وہ بھی دوڑنے لگا۔

دیکھنا اس ریس میں تو میں ہی جیتوں گا۔

بھاگ بھاگ کر میرا ستیاناس ہو گیا۔محلے کی ساری گلیوں میں پھیرے لگائے لیکن مجال ہے جو اس کتے کا دل بھرا ہو۔مجھے اندازہ ہوا کہ یہ مجھ سے زیادہ آوارہ ہے۔میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا اور واہ ری قسمت۔۔۔سامنے پڑے ایک پتھر سے ٹکرایا تو ایسا گرا کہ چند لمحوں تک اٹھ نہ سکا۔

پاؤں پر اتنی شدید چوٹ لگی تھی۔کمبخت کتا ابھی بھی بھاگتا چلا آرہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر چڑھ دوڑتا میں پھرتی سے ساتھ والی دیوار پر چڑھ گیا۔

کچھ دیر وہ نیچے بیٹھا زبان نکالے ہانپتا رہا اور پھر چلا گیا۔میں شکر کی سانس لے کر نیچے اترا۔ پاؤں میں شدید درد کے باعث چل نہیں سکتا تھا۔ اس لیے وہیں بیٹھ گیا۔

............*

"ارے حمزہ! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ میں تجھے کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔چل فٹ بال کھیلتے ہیں" زین کہیں سے آنکلا تو مجھے یوں بیٹھا دیکھ کر حیران ہوا۔

"میرے پاؤں میں درد ہے یار!"

"کیوں؟ کیا ہوا؟" اس نے پوچھا تو میں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔اب کیا بتاتا کہ اٹھ کر کھڑا ہونا بھی میرے لیے محال تھا۔بہر حال اب پاؤں کے درد کی وجہ سے میں فٹ بال تو نہیں چھوڑ سکتا تھا، اس لیے اس کے ساتھ چل دیا۔

گراؤنڈ میں کوئی گھنٹہ بھر فٹ بال کھیلنے کے بعد میں وہیں بیٹھ گیا۔

"گھر نہیں جانا؟" زین نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟" اسے تعجب ہوا۔

"مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔ پاؤں پر چوٹ لگی ہے ناں۔" میں نے بیزاری سے اسے جتایا۔

"حد ہے آتے ہوئے بھی بتایا تھا۔ پتہ نہیں لوگ ایک ہی بار میری بات کیوں نہیں سمجھتے۔"

"ابھی فٹ بال کھیلتے ہوئے تو تمہیں کچھ نہیں ہوا۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا اور مجھے غصہ آگیا۔

"لو جی۔۔۔کر لو بات! ابے فٹ بال میں تو بھاگنا دوڑنا ہوتا ہے اور میں چلنے کی بات کر رہا ہوں۔میں حیران تھا کہ عقل نام کی کوئی شے اس میں ہے کہ نہیں۔"

”ہائے توبہ۔۔۔! تمہاری حکایتیں میرے پلے نہیں پڑتیں۔“ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور میں نے بھی نہیں روکا تھا۔ ویسے بھی بے وقوف لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے۔

............*

کچھ دیر بعد وہاں دوسری گلی کے بچے موجود رسا کشی کھیل رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر میرا دل بھی کھیلنے کے لیے مچلنے لگا۔

”السلام علیکم دوستو! کیا میں بھی آپ سب کے ساتھ کھیل سکتا ہوں؟“ میں نے ان سے پوچھا۔

”ہاں! کیوں نہیں؟“ انہوں نے کھلے دل سے دعوت دی۔

”شکریہ۔“ میں ان کے ساتھ کھیل میں شامل ہو گیا۔

پھر میں نے انہیں کہا کہ دو لڑکے رسی کو سرے سے پکڑ کر گھمائیں۔ ایک دائیں طرف کھڑا ہو اور دوسرا بائیں طرف۔ پھر ہم درمیان میں کودیں گے۔ انہیں میرا مشورہ پسند آیا تو عمل کرتے دیر نہ لگائی۔ کافی دیر یہ کھیل کھیلنے کے بعد وہ سب بھی اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

”میں۔۔۔نہیں، نہیں، میں تو وہیں بنچ پر ٹک گیا۔ گھر کیسے جاتا؟ آپ کو تو یاد ہے ناں، بری بات۔۔۔ آپ بھی بھول گئے کہ میرے پاؤں پر چوٹ لگی ہے اور میں چل نہیں سکتا۔“

ابھی پانچ دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ابو آتے دکھائی دیے۔ وہ میری طرف ہی آ رہے تھے۔ امی نے نجانے کون کونسی شکایتیں لگائی ہوں گی میری۔

”برخوردار یہاں کیوں بیٹھے ہو؟“ ابو نے پوچھا۔

”ابو! چوٹ لگی ہے پاؤں میں، گھر نہیں جا سکتا۔“

ابو نے دیکھا میرا پاؤں ہلکا سا سرخ تھا۔ جب مجھے پتھر لگا تھا تب تو جان نکل گئی تھی۔ مجھے لگا شاید پاؤں ٹوٹ گیا ہو گا لیکن نہیں۔۔۔سلامت تھا۔ چلو تھوڑا سا سوج ہی جاتا، انہیں میری بات سچ تو لگتی۔ اب یوں تھوڑا سا سرخ ہونے کی بھی کیا ضرورت تھی۔

بہرحال ابو مجھے گھر لے گئے۔ گھر میں میری بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ میری دس سالہ زندگی میں کبھی کسی نے اتنی عزت نہیں دی جتنی کہ آج دی جا رہی تھی۔ امی نے پیار کیا اور ابو نے اٹھا کر بیڈ پر سلایا۔ چاچو بھی میرے سرہانے آ بیٹھے۔ یہ سب دیکھ کر میں دل ہی دل میں کتے کا شکریہ کر رہا تھا، جس کی وجہ سے مجھے گرنا نصیب ہوا تھا۔ تاہم ہلدی والا دودھ پینا ایک انتہائی کٹھن مرحلہ تھا۔

امی نے زیتون کے تیل سے پاؤں کی مالش کی۔ اس کے بعد میں سو گیا اور سارا دن گھر کے کاموں سے جان چھوٹی رہی۔

............*

کتاب انسان کا بہترین ساتھی ہے اور مطالعہ کے عادی لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ مفید اور معمار کتب کا مطالعہ بہترین تفریح بھی ہے، کبھی دماغ تھکا ہوا ہو اور دل پر اداسی حملہ آور ہو، کتاب پکڑیے اور گوشہ تنہائی تلاش کر کے پڑھنا شروع کیجیے! آپ یقین کریں چند لمحے بعد ہی آپ کی دماغی تھکاوٹ دور، اداسی مٹ جائے گی اور آپ خود کو ہشاش بشاش پائیں گے۔

دوران مطالعہ بسا اوقات ایسی چیزیں بھی نظروں سے گزرتی ہیں جو بے اختیار لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں اور جنہیں بے اختیار دوسروں سے ”شیئر“ کرنے کو جی چاہتا ہے، کچھ ایسی ہی چند چیزیں ہماری نظروں سے بھی گزری ہیں، جنہیں آج ہم ”مسکراہٹ کے پھول“ کا نام دیتے ہوئے آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اب ”چمنستان مطالعہ“ سے چُنے گئے یہ ”پھول“ پہلے مدیرِ محترم کی ”لیبارٹری“ میں چیک ہوں گے، اس کے بعد اگر یہ پھول ”باسی“ نہ ہوئے، رسالے کی صحت اور آپ کے مزاج کے لیے ”مُضر“ نہ ہوئے تو آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے، ورنہ بصورتِ دیگر ”ردی کی ٹوکری“ (جس کا ہاضمہ کسی چیز سے بھی خراب نہیں ہوتا) انہیں کھا جائے گی۔

لیجیے! حاضرِ خدمت ہیں
”مسکراہٹ کے پھول“

نقلی امامِ مہدی

گرمیوں کی ایک دوپہر میں اپنی بیٹھک میں سویا ہوا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک



ہوئی، دروازہ کھولا تو ایک پورے قد کاٹھ کا آدمی کھڑا تھا، سر پر کلے کے اوپر پگڑی، لٹھے کا تہبند، پاؤں میں بوٹ اور اچکن پہنے ہوئے تھا۔

''السلام علیکم''

''وعلیکم السلام، اندر تشریف لائیں''

کرسی پیش کی اور خود چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''کہاں سے تشریف لائے اور کیسے تشریف لائے؟''

کچھ بولنے کے بجائے اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور میرے ہاتھ میں تھما دیا، میں نے خیال کیا شائد کسی جلسے کی دعوت ہوگی، مگر جب رقعہ پڑھا تو اس میں لکھا تھا:

''میں امامِ مہدی ہوں، مجھ پر ایمان لاؤ، میرا حکم مانو، ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے''

رقعہ پڑھ کر میں نے بمشکل ہنسی ضبط کی پھر بغیر کسی وقفے کے ایک دم چہرے پر مصنوعی غصے رعب و جلال کی کیفیت پیدا کی اور کڑک کر کہا:

''او احمق! او خبیث! تجھے یہ جرأت کیسے ہوئی کہ نقلی امامِ مہدی بن کر اصلی امامِ مہدی کے سامنے آ گیا؟''

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''چل اٹھ میرے ساتھ باہر، اور تو بھی کہہ میں امام مہدی ہوں اور میں بھی کہتا ہوں، پھر دیکھ کسے جوتے پڑتے ہیں اور کس کی عزت ہوتی ہے''

بے چارے امام مہدی کے پسینے چھوٹ گئے، اور وہ کانپنے لگے، میں نے پھر گرج کر کہا:

''اٹھ جھوٹے! اور نکل میدان میں، ابھی تیرا کباڑا نہ کر دوں تو کہنا''

اب تو اس کے سارے دم خم نکل گئے، ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا:

''جناب بیٹھئے اور مجھے معاف کر دیجیے!''

میں نے کہا: ''بکو! تمہیں چار پیسے چاہیے یا بھوک لگی ہے؟''

کہنے لگا: ''بس معاف کر دیجئے اور جانے کی اجازت دیجئے!''

میں نے کہا: ''معاف کر دیا مگر یہ ہماری عادت کے خلاف ہے کہ کچھ کھائے پیئے بغیر چلے جاؤ''

میں نے کھانا منگوا کر کھلایا اور ساتھ نصیحت کی:

''یہ حرکت چھوڑ دو! اس سے بہتر ہے کہ سیدھے سادھے بھیک مانگ لیا کرو!''

اس نے اقرار کر کے مجھ سے جان چھڑائی اور تیز قدموں سے نکل گیا۔

(سید امین گیلانی بحوالہ: ''ناقابل یقین سچے واقعات'')

ادلی بدلی

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آج کل معاشرے میں یہ چیز کافی مقبول

ہورہی ہے کہ لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس اور لڑکیوں کو لڑکوں کا لباس پہناتے ہیں، ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ کہیں دعوت تھی مرد اور عورت ایک جگہ جمع تھے، ایک نوعمر کو دیکھا کہ رواج کے مطابق بڑی سلیقہ مندی سے کھانا لگا رہا تھا کسی کی زبان سے نکل گیا:

''لڑکا بڑا ہونہار ہے سلیقہ مندی سے کام کر رہا ہے''

''میاں! کیا فرمارہے ہیں؟ یہ لڑکا نہیں میری لڑکی ہے'' اس پر پیچھے سے آواز آئی

''معاف کیجئے گا! مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اس کی والدہ ہیں'' ان صاحب نے پیچھے مڑکر دیکھا اور ایک نظر ڈال کر کہا

''میاں! آپ کا دماغ تو خراب نہیں؟ آپ صحیح دیکھا کیجئے! میں اس کی ''والدہ'' نہیں ''والد'' ہوں'' انہوں نے جھنجلا کر فوراً جواب دیا

(''ناقابل یقین سچے واقعات'')

جے ہند

ہندوستان میں لفظ ''جے'' عزت و رفعت کے معنی میں لیا جاتا ہے (ہندوؤں کے ہاں لفظ ''جے'' اردو میں ''زندہ باد'' کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ بڑے لیڈروں کو خوش کرنے کیلئے پاکستان کی طرح زندہ باد کے بجائے ''جے جے'' کے نعرے ہوتے ہیں، اسی طرح اپنے ملک کے حق میں نعرے لگاتے وقت لفظ جے استعمال ہوتا ہے مثلاً ''جے ہند''

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کشمیر اسمبلی میں ایک دین دار مسلمان کو چھینک آئی، تو انہوں نے زور سے کہا: ''الحمدللہ''

اس پر وہاں موجود ایک ہندو پنڈت نے کہا: ''یہ آپ نے کیا کہا؟''

مسلمان نے جواب دیا: ''چھیک آنے سے دماغ صاف ہوجاتا ہے، میں نے اللہ کا شکرادا کیا ہے''

ہندو پنڈت نے طنزاً کہا: ''جب آپ کی ریح خارج ہوتی ہے تب بھی پیٹ صاف ہوتا ہے۔ اس وقت بھی آپ الحمد للہ کہا کریں''

مسلمان ممبر نے فوراً جواب دیا: ''جی نہیں !اس وقت تو ہم کہتے ہیں:

''جے ہند''

(ماخوذ از ''مسکراتے زخم'')

اکیس، اکیس

پاگلوں کے ہاں گنتی کا بڑا مقام ہے، آپ کسی بھی پاگل سے مل لیں وہ ضرور کوئی نہ کوئی چیز ''گن'' رہا ہوگا شمار کر رہا ہوگا، مگر گنتی اس کی اپنی ہوگی، ایک ڈاکٹر صاحب نے اپنا قصہ لکھا ہے کہ ایک دن میں پاگل خانے اپنی ڈیوٹی پر گیا، جیسے ہی اندر داخل ہوا تو میرے کانوں سے آواز گونجی:

''بیس، بیس، بیس''

میں حیران ہوا اور اندازہ لگانے لگا، جلد ہی پتا چل گیا کہ پاگلوں کے بڑے کمرے میں سے

آواز آرہی ہے اور سارے پاگل مل کر کہہ رہے ہیں:

''بیس، بیس، بیس''

پہلے تو میں نے نظر انداز کیا مگر جب ان کی آواز نہ رکی تو مجھے تجسس ہوا، وہاں دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا سوراخ تھا، جس سے نگرانی کرنے والے چھپ کر پاگلوں پر نظر رکھتے تھے، میں اس سوراخ تک پہنچا اور آنکھ لگا کر دیکھنے لگا، اچانک اندر سے جھاڑو کا تیز تنکا میری آنکھ میں لگا اور پاگلوں کی آواز گونجی: ''اکیس، اکیس، اکیس''

یعنی وہ مجھ سے پہلے اس طرح کے بیس شکار کر چکے تھے اور میں ان کا اکیسواں شکار تھا......

اب یہ پاگل خوشی اور فخر سے مرے جا رہے تھے اور چلّا رہے تھے۔

اکیس، اکیس......

(رنگ ونور سے ماخوذ)

بدو اور مہدی

عباسی خلیفہ مہدی شکار کے لئے نکلا، دوران شکار اس کا گھوڑا بدک کر ایک بدو کے خیمے میں جا گھسا، مہدی نے کہا:

''بدو! میرے مہمان کے لئے کچھ ہے؟''

بدو نے جو کی روٹی پیش کی، وہ کھا گیا، پھر بدو نے کچھ دودھ دیا تو وہ بھی پی گیا، پھر چمڑے کے برتن میں اسے ''نبیذ'' شیرۂ کھجور پیش کیا تو وہ اسے بھی پی گیا، جب سب کھا پی چکا تو مہدی بدو سے کہنے لگا:

''جانتے ہو میں کون ہوں؟''

بدو: ''نہیں''

مہدی: ''میں امیر المومنین کا خصوصی خادم ہوں''

بدو: ''اللہ تجھے تیرے عہدے میں برکت دے''

بدو نے اسے دوسرا جام پلایا۔

مہدی (تھوڑی دیر کے بعد): ''بدو! جانتے ہو میں کون ہوں؟''

بدو: ''ابھی تو آپ نے بتایا ہے کہ آپ امیر المومنین خلیفہ وقت کے خصوصی خادم ہیں''

مہدی: ''نہیں، میں تو امیر المومنین کا ساربان ہوں''

بدو: ''خدا کرے آپ کے شہر سرسبز و شاداب ہوں، آپ کی مرادیں پوری ہوں''

یہ کہہ کر اس نے مہدی کو تیسرا جام پلایا، مہدی جب پی چکا تو اس نے پھر کہا۔

''جانتے ہو میں کون ہوں؟''

بدو: ''آپ نے ابھی بتایا ہے کہ آپ خلیفہ وقت کے ساربان ہیں''

مہدی: ''نہیں، میں خود امیر المومنین ہوں''۔

بدو نے یہ سنتے ہی چمڑے کا پیالہ اپنی جگہ رکھا اور کہا:

''دفع ہو جا! اگر میں نے تجھے چوتھا جام پلایا

تو تو نبوت کا دعویٰ کر دے گا کہ اللہ کا رسول ہے“

یہ سن کر مہدی اس قدر ہنسا کہ اس پر بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، تھوڑی دیر کے بعد مہدی کے ہمراہیوں اور شہسواروں نے خیمہ گھیرے میں لے لیا، بڑے بڑے امراء وشرفاء خیمے میں داخل ہوئے، یہ منظر دیکھ کر خوف کے مارے بدو کا رنگ فق ہوگیا، مہدی نے کہا:

”گھبرانے کی ضرورت نہیں“

پھر اس نے بدو کے لئے لباس اور بڑے انعام کا فرمان جاری کیا۔

(المستطرف)

مرغیوں کی بندر بانٹ

ایک دیہاتی کسی شہری کے ہاں مہمان ٹھہرا، شہری کے پاس بہت سی مرغیاں تھیں اور گھر میں اس کی بیوی، دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، شہری کا کہنا ہے کہ میں نے بیوی سے کہا: ”آج آگ پہ مرغی بھونو اور کھانے میں ہمیں پیش کرو، جب سب مل کر بیٹھیں گے تو مرغی دیہاتی کی طرف بڑھا کر بولیں گے اسے ہمارے درمیان تقسیم کر دو، اس سے ہم اس کی ہنسی اُڑائیں گے“

جب مرغی تیار ہوگئی اور سب مل کر بیٹھ گئے تو میں نے دیہاتی کو مرغی تقسیم کرنے کی پیشکش کی، دیہاتی نے کہا:

”میں صحیح تقسیم نہیں کرسکتا، لیکن اگر تم میری تقسیم پر ہی مصر ہو تو لاؤ! میں تقسیم کر دیتا ہوں“

”ہم خوش ہیں“ ہم نے کہا۔

دیہاتی نے مرغی کا سر الگ کیا اور یہ کہتے ہوئے مجھے دیا:

”الراس للرئیس“ ”سر، سردار کو ملنا چاہئے“

پھر دو بازو الگ کئے اور کہا:

”یہ دو بیٹوں کے ہیں“

پھر مرغی کی دو ٹانگیں الگ کیں اور کہا:

”یہ بیٹیوں کی ہیں“

پھر اس کی دم کاٹی اور کہا:

”العجز للعجوز“ ”پچھلا حصہ سرین بڑھیا کے لئے ہے“

پھر کہا: ”الزور للزائر“ ”سینے کے درمیان کا بالائی حصہ مہمان کا ہے“ اور یہ کہہ کر باقی مرغی اپنے سامنے رکھ لی

جب اگلا دن ہوا تو میں نے بیوی سے کہا:

”آج پانچ مرغیاں بھونو“

جب کھانا لگ گیا تو میں نے دیہاتی سے کہا: ”اسے تقسیم کر دو“

اس نے کہا: ”جفت جفت یا طاق طاق؟“

میں نے کہا: ”طاق تقسیم کرو“

اس نے کہا: ”تم اور تمہاری بیوی اور ایک مرغی تین ہوگئے“ یہ کہہ کر ایک مرغی ہماری طرف بڑھا دی۔

پھر کہا: ”تمہارے دو بیٹے اور ایک مرغی تین

مومنوں کا اندازِ فکر!!

انتخاب: محمد بدر، کراچی

تابعی ابراہیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دن (ان کے والد) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ شام کے وقت روزہ افطار کرنے کے لیے جب ان کے سامنے کھانا رکھا گیا تو (کھانے کی نعمتیں دیکھ کر) کہنے لگے:

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (اُحد کے دن) شہید ہوئے۔ وہ مجھ سے اچھے تھے۔ ایک ایسی چادر میں ان کو کفن دیا گیا کہ اگر سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے رہ جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا رہ جاتا تھا اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی اسی دن شہید ہوئے وہ بھی مجھ سے اچھے تھے۔ پھر اس کے بعد ہم لوگوں کو آسودگی اور فراوانی دی گئی اور ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہماری نیکیوں کا ثواب جلدی سے ہمیں دنیا میں نہ مل گیا ہو۔ پھر اس کے بعد رونے لگے اور اتنا روئے کہ کھانا بھی نہ کھایا۔

ہو گئے'' ایک مرغی ان کی طرف بڑھا دی۔

پھر کہا: ''تمہاری دو بیٹیاں اور ایک مرغی، تین ہو گئے'' ایک مرغی انہیں دے دی اور پھر کہا:

''میں اور دو مرغیاں، تین ہو گئے'' یہ کہہ کر دو مرغیاں اپنے پاس رکھ لیں۔

ہم بیٹھے اس کی مرغیوں کو گھورنے لگے، کہنے لگا:

''شاید تمہیں میری طاق تقسیم پسند نہیں آئی''

ہم نے کہا:

''آپ انہیں جفت جفت تقسیم کریں''

اس نے مرغیاں سب سے لے کر اپنے قبضے میں کیں اور جفت تقسیم کرنے لگا:

''آپ اور آپ کے دو بیٹے اور ایک مرغی کُل چار ہو گئے'' یہ کہہ کر ایک مرغی ہم تین باپ بیٹوں کی طرف پھینک دی، پھر کہا:

''بڑھیا، اس کی دو بیٹیاں اور ایک مرغی کل چار ہو گئے'' ایک مرغی ان کی طرف بھی اچھال دی اور کہا:

''میں اور تین مرغیاں کُل چار ہو گئے'' اور تین مرغیاں خود سمیٹ لیں

تھوڑی دیر کے بعد سر آسمان کی طرف اُٹھا کر کہنے لگا:

''الحمد للہ، انت فھمتنیھا''

''اے اللہ! تیرا شکر ہے، آپ نے مجھے مرغیاں تقسیم کرنے کی سمجھ عطاء فرمائی''

(ابن الجوزی: اخبار الظراف)



اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توفیق عطاء فرمائے آج ان شاء اللہ کئی باتیں عرض کرنی ہیں...... اب معلوم نہیں کہ تمام باتیں عرض ہو سکیں گی یا کچھ رہ جائیں گی...... سب سے پہلے تو آپ سب کی خدمت میں ایک تحفہ پیش کرنا ہے...... یہ تحفہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاء...... اور پھر اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ’’اللّطیف‘‘ کے بارے میں چند باتیں بیان کرنی ہیں...... اور آخر میں تذکرہ ایک خوش نصیب مسلمان کا......

حضرت داؤد علیہ السلام کی عجیب دعاء

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام...... اللہ تعالیٰ کے اُن ’’انبیاء کرام‘‘ میں سے ہیں جن کا مبارک تذکرہ قرآن پاک میں کئی مقامات پر آیا ہے...... اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ’’زبور‘‘ عطاء فرمائی...... اور انہیں زمین پر خلافت و بادشاہت بھی نصیب فرمائی تھی...... حضرت داؤد علیہ السلام نے کم عمری کے زمانے میں ’’جالوت‘‘ نامی بڑے کافر کو قتل فرمایا...... نادان لوگ کہتے ہیں کہ جہاد و قتال انبیاء علیہم السلام کا کام نہیں...... حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ مبارک میں یہ تاثیر تھی کہ لوہا آپ کے ہاتھوں میں آتے ہی نرم ہو جاتا تھا اور آپ اُس لوہے سے جنگی زرہیں بنایا کرتے تھے...... اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت عجیب نورانی اور دلکش ’’آواز‘‘ عطاء فرمائی تھی...... آپ جب ’’زبور‘‘ کی تلاوت فرماتے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مگن ہو جاتے......
جہاد اور عدل وانصاف کی برکت سے آپ کی سلطنت زمین کے ایک بڑے حصے پر پھیل گئی تھی......شام، عراق، فلسطین، شرق اردن......خلیج عقبہ سے لیکر فرات کے تمام علاقے اور حجاز کے کئی حصے آپ کی سلطنت میں شامل تھے......
اتنی بڑی بادشاہت کے باوجود آپ ملکی خزانے سے ایک دانہ تک نہیں لیتے تھے......بلکہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچے کے لئے خود محنت کر کے رزق حلال کماتے تھے......صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ "انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے (بخاری، کتاب التجارۃ)

بعض دوسری روایات میں مالِ غنیمت کو "پاکیزہ ترین" رزق قرار دیا گیا ہے......حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل، مناقب، خصوصیات اور قصے بہت زیادہ ہیں......اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم، مقرب اور شان والے نبی کے حالات معلوم کرنے ہوں تو قرآن پاک کے درج ذیل مقامات کا کسی مستند تفسیر کے ذریعہ مطالعہ کریں......

o سورۃ البقرہ آیت (۱۰۲) اور (۲۵۱) o سورۃ النساء آیت (۱۶۳) o سورۃ المائدہ آیت (۷۸) o سورۃ الانعام آیت (۴۸ تا ۹۰) o سورۃ الاسراء آیت (۵۵) o سورۃ الانبیاء آیت (۷۸ تا ۸۲) o سورۃ النمل آیت (۱۰ تا ۴۴) سورۃ سبأ آیت (۱۰) اور (۱۴) o سورۃ ص آیت (۱۷ تا ۴۰)......ان تہتر (۷۳) آیات میں سولہ مقامات پر حضرت داؤد علیہ السلام کا نام مبارک بھی مذکور ہے......قرآن پاک نے یہ بھی بتایا ہے کہ......اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھلا دیں تھیں......اور بھی آپ کے معجزات بہت زیادہ ہیں......آج ہمارا موضوع حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکہ نہیں بلکہ ایک دعاء ہے......اور یہ دعاء حدیث شریف کی مشہور کتاب "مصنف ابن ابی شیبہ" کی "کتاب الدعاء" کے چالیسویں باب میں مذکور ہے......حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام یہ دعاء مانگا کرتے تھے......

اَللّٰھُمَّ خَلِّصْنِیْ مِنْ کُلِّ مُصِیْبَةٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَةَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ

ترجمہ: یا اللہ مجھے ہر اُس مصیبت سے بچایئے جو آج کی رات آسمان سے زمین پر نازل ہوئی ہے......

اور یہ دعاء فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ سَھْمًا فِیْ کُلِّ حَسَنَةٍ

نَزَلَتِ اللَّيْلَةَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ

ترجمہ: یا اللہ مجھے اُس بھلائی (اور خیر) میں سے حصّہ عطاء فرمایئے جو بھلائی آج کی رات آسمان سے زمین پر اُتری ہے...... (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الدعاء)

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ...... حضرت داؤد علیہ السلام پہلی دعاء سورج غروب ہونے کے وقت تین بار مانگتے تھے......اور دوسری دعاء صبح سورج طلوع ہونے کے وقت تین بار فرماتے تھے......اللہ اکبر کبیرا ،سبحان اللہ...... یہ دونوں دعائیں بہت نافع ،بہت مفید اور بہت پُر اثر ہیں......رات کے وقت آسمان سے خیر اور شر دونوں نازل ہوتے ہیں......پہلی دعاء میں ہر شر سے حفاظت مانگی گئی اور دوسری دعاء میں ہر خیر میں سے حصّہ مانگا گیا ہے......دل چاہتا ہے کہ......یہ میٹھی اور طاقتور دعاء ہر مسلمان یاد کر لے اور دل کی توجہ سے اس کا اہتمام کرے......

(۱) اَللّٰھُمَّ خَلِّصْنِیْ مِنْ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَۃَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ ...(تین بار)

(۲) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ سَھْمًا فِیْ کُلِّ حَسَنَۃٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَۃَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ ...(تین بار)

یا لطیف

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے ناموں کو ’’اسماء الحسنیٰ‘‘ کہتے ہیں......اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ......وہ اللہ تعالیٰ کو ان پیارے پیارے ناموں سے پکاریں......اور ان ناموں کو پکار کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں......’’اسماء الحسنیٰ‘‘ میں سے سب سے مستند ’’اسماء‘‘ (یعنی نام) وہ ہیں جو قرآن پاک میں آئے ہیں......اسماء الحسنیٰ کے بارے میں آپ نے مزید تفصیلات جاننی ہوں تو ’’تحفہ سعادت‘‘ نامی کتاب کا مطالعہ کریں......جبکہ عربی اور اُردو میں اس موضوع پر بہت عمدہ کتابیں موجود ہیں......بات دراصل توفیق کی ہے......اللہ پاک کی نظر رحمت ہو جائے تو انسان پر......علم اور توفیق کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں......

قریب کا قصہ ہے کہ ایک شخص بہت پریشان تھا......وہ ہر طرف سے مصائب میں گھر چکا تھا...... ایک رات اُس نے خواب میں اپنے ’’شیخ‘‘ کی زیارت کی......انہوں نے فرمایا کہ ’’اسماء الحسنیٰ‘‘ پڑھا کرو......آپ یقین کریں کہ......اس نے جیسے ہی ’’اسماء الحسنیٰ‘‘ کا باقاعدہ وِرد شروع کیا تو حالات بہتر ہوتے چلے گئے......دراصل ’’اسماء الحسنیٰ‘‘ خیر ،بھلائی اور حَسنَات کا خزانہ ہے......مالک کی مرضی کہ جس کو اس خزانے میں سے جتنا عطاء فرمادے......حضرات صحابہ کرام تو اسماء الحسنیٰ میں

سے چند ایک پڑھ کر دعاء کرتے تھے اور اپنے گھوڑے سمندروں میں ڈال دیتے تھے......آج کل بہت سے لوگ حالات کی تنگی اور پریشانی کا شکوہ کرتے ہیں......اُن سے گزارش ہے کہ کچھ توجہ اسماء الحسنیٰ کی طرف بھی کریں......اللہ تعالیٰ کے ''اسماء الحسنیٰ'' میں سے ایک ''اللطیف'' جلّ شانہ ہے......اللہ تعالیٰ کا یہ مبارک ''اسم'' قرآن پاک کی کئی آیات میں مذکور ہے......اور ہر آیت میں اس ''اسم مبارک'' کی الگ تاثیر کی طرف واضح اشارہ ہے......حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ''شانِ لطیفی'' پوری طرح ظاہر ہوئی......چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والدین کو لے کر مصر کے ''تختِ حکمرانی'' پر جلوہ افروز ہوئے......اور آپ کے والدین اور آپ کے بھائیوں نے سجدہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام بے ساختہ پکار اٹھے......اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِمَا یَشَآئُ...بے شک میرا رب جو چاہتا ہے اُسے اپنی خفیہ تدبیر......اور مخفی طریقے سے پورا فرمادیتا ہے......ظاہری طور پر بہت سی چیزوں میں ''شر'' نظر آرہا ہوتا ہے......مگر اللہ تعالیٰ جو ''لطیف'' ہے وہ نہایت لُطف، لطافت، اور باریکی کے ساتھ اُن چیزوں کا انجام بہت خیر والا بنادیتا ہے......ظاہری طور پر بھائیوں کا حسد، والدین سے جُدائی، قید وبند، جھوٹی تہمتیں......اور دربدری ہے......مگر اللہ تعالیٰ نہایت لطافت اور باریکی کے ساتھ انہیں راستوں سے اُن کو......نبوت، خلافت اور دنیا و آخرت کی سعادت کی طرف لے جارہا ہے......

اگر یہ مصیبتیں نہ آتیں تو پھر اتنے اُونچے علوم اور اتنے اُونچے مقام تک پہنچنا آسان نہ ہوتا......اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھ لیں......ظاہری طور پر وہ امتحانات اور مصائب میں ڈالے گئے......مگر بعد میں سب نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی مخفی تدبیر نے ہر چیز کا انجام بہترین بنا دیا......

حضرات مفسرین نے ''اللطیف'' کے بائیس (۲۲) معانی لکھے ہیں......ہم اُن میں سے بعض کو یہاں نقل کررہے ہیں......تاکہ ہم جب اپنے رب کو ''یا لطیف'' کہہ کر پکاریں تو ہمارے ذہن میں......اس نام کی عظمت اور زیادہ روشن ہو...

(۱) اللطیف......اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی کرنے والا......اور اُن پر ایسے طریقے سے احسان کرنے والا جس کا انہیں گمان تک نہ ہو......

(۲) اللطیف: نہایت محبت کے ساتھ اپنے بندوں کی حاجتیں پوری فرمانے والا ......

(۳) اللطیف: اپنے اُن بندوں پر لطف و کرم کی بارش برسانے والا جو مخلوق سے مایوس ہو کر اُس پر توکل کرتے ہیں......جب وہ اُس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں تو وہ اُن کی دعاء قبول فرماتا ہے......اور اُن کی طرف توجہ فرماتا ہے......

(۴) اللطیف: اپنے بندوں کی خوبیاں لوگوں میں پھیلانے والا اور اُن کے گناہوں کو لوگوں سے چھپانے والا......

(۵) اللطیف: تھوڑا قبول کرنے والا اور زیادہ دینے والا......

(۶) اللطیف: اپنے بندوں کو اُن کی اہلیت سے زیادہ دینے والا اور اُن پر اُن کی طاقت سے کم کا بوجھ ڈالنے والا......

(۷) اللطیف: وہ جو اپنی نافرمانی کرنے والوں کو جلدی نہیں پکڑتا اور اپنے سے اُمید رکھنے والوں کو ناکام نہیں فرماتا......

(۸) اللطیف: اُن پر رحم فرمانے والا جو اپنے اوپر رحم نہیں کرتے......

(۹) اللطیف: وہ جس تک انسان کے خیالات تک نہیں پہنچ سکتے......

(۱۰) اللطیف: ہر مشکل کو آسان فرمانے والا اور ہر نقصان کی تلافی فرمانے والا......

آپ نے اندازہ لگایا کہ...... کتنا بڑا سمندر ہے...... جی ہاں رحمتوں کا میٹھا سمندر...... نرمی، محبت، مخفی طریقوں سے خیر پہنچانا...... اور اپنے بندوں پر اُن کے حق سے زیادہ رحمت فرمانا...... آج ہم سب اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے محتاج ہیں...... اس لئے خوب توجہ اور اہتمام کے ساتھ یا اللہ یا لطیف کا ورد کریں...... خوب ورد کریں اور اس نام مبارک کا خوب مراقبہ کریں...... اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے پردوں میں چُھپ جائیں، گُم ہو جائیں...... ڈوب جائیں اور نور اور سکون کے لمبے لمبے غوطے لگائیں......

اَللّٰھُمَّ یَالَطِیْفُ، یَالَطِیْفُ، یَالَطِیْفُ اُلْطُفْ بِنَا بِلُطْفِکَ الْخَفِیِّ یَا لَطِیْفُ اُلْطُفْ بِنَافِیْ تَیْسِیْرِ کُلِّ عَسِیْرٍ... آمین...

اگر آپ نے اسلاف اور اکابر سے منقول ''یالطیف'' کے ورد کے بعض طریقے معلوم کرنا ہوں تو...... لطف اللطیف اور تحفہ سعادت نامی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں...... اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس مبارک ''اسم'' اور تمام ''اسماء الحسنیٰ'' کی برکات دنیا و آخرت میں نصیب فرمائے......

معذرت

شروع میں تین باتیں عرض کرنے کا ارادہ لکھا تھا...... مگر ''کالم'' مکمل ہوگیا اور ایک بات رہ گئی...... انشاء اللہ اگلی کسی مجلس میں اُسے بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی......

اللھم صلّ علیٰ سیدنا و مولانا محمد عدد مافی علم اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ عزوجلّ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

☆......☆......☆

مان صاحب کا انتقام

ایم تجمل بیگ

''آہ! آہ! اوئی! بس! بس! اور نہیں بس ختم کرو!''......

نرس نے پے در پے جو چوتھا انجکشن لگایا تو ''مان صاحب'' نے آہ و بکا کرتے ہوئے التجا کی، لیکن نرس نے اس کی بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے پانچواں انجکشن بھرنا شروع کر دیا۔

پانچواں انجکشن بھر کر نرس نے مان کی طرف جو قدم بڑھایا تو مان رحم طلب نظروں سے نرس کو دیکھنے لگا، گویا کہ وہ کہہ رہا ہو کہ اب آپ تو اتنا ظلم نہ کیجئیے کیا گدھا اور مرغا کم تھے؟......

نرس نے آنکھوں پر دھیان دیے بغیر مان کو انجکشن لگا دیا۔

''او خبیث گدھے! اور بدمعاش مرغ! تیار رہو! میرا انتقام بہت سخت ہوگا، تمہاری آنے والی نسلیں اس انتقام کو یاد رکھیں گی'' پانچواں انجکشن لگنے پر مان نے روتے ہوئے گدھے اور





مرغے کو دھمکیاں دیں اور آنکھیں صاف کر کے خلا میں گھورنے لگا۔

ہوا کچھ یوں کہ آج ''مان'' صبح صبح تیار شیار ہو کر جب سکول کیلیے نکلا تو اپنی گلی کے کنارے دو مرغوں کو دانا چگتے دیکھ کر ان کو لڑانے کا خیال اس

کے من میں مچلنے لگا، اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جیسے ہی اس نے سرخ اور سیاہ رنگ کے بڑے سارے مرغے کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اچھلتے ہوئے مان کے منہ پر پنجوں سے خراشیں ڈال دیں اور "مان" اپنا ارادہ ترک کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔

اپنی عادت سے مجبور جاتے ہوئے مان نے رستے سے ایک باریک سا ڈنڈا توڑ کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور دوبارہ سکول کی جانب روانہ ہو گیا۔

چہرے پر خراشیں مان کی عزتِ نفس کو مجروح کر رہی تھیں اور اس کے نتھنے غصے کے باعث پھول رہے تھے۔ جب وہ اشرف عرف "اچھی" کے گدھے کے پاس سے گزرا تو ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں آ دھمکا اور اس نے مرغے کا بدلہ گدھے سے لینے کا ارادہ کر لیا۔

ایک مرتبہ اس نے گدھے کی طرف اور پھر ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے کی طرف دیکھا اور جا کر گدھے کو کان سے پکڑ لیا۔

گدھے نے جو چلانا شروع کیا تو مان نے زور سے ایک ڈنڈا اس کی کمر پر رسید کیا جسکی بدولت وہ اور زور سے چلانے لگا۔

اور مان مسلسل اس کو ڈنڈے سے پیٹنے لگا دس پندرہ ڈنڈے مارنے کے بعد جیسے ہی مان نے گدھے کا کان چھوڑا تو گدھے نے مان کی ٹانگ منہ میں لے لی۔ مان چلانے لگا اور ساتھ ساتھ گدھے کو گالیاں بھی دینے لگا۔

مان کا شور سن کر چاچا اچھی فوراً گھر سے باہر نکل آیا اور بھاگ کر مان کے پاس پہنچا جس کو گدھے نے دانتوں سے دبوچ رکھا تھا، بمشکل اس نے مان کو گدھے کے چنگل سے چھڑایا اور ہسپتال لے گیا۔

اب یہاں ہسپتال میں پانچویں انجیکشن کے بعد مان انتقام کی آگ میں پڑا جل رہا تھا اور ہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے لیے بیتاب تھا۔

کچھ دیر بعد نرس نے ایک مرتبہ دوبارہ زخم چیک کر کے صاف کیا اور مرہم پٹی کر کے ایک پرچی پر کچھ دوائیاں لکھیں اور پرچی مان کے ساتھ آئے ہوئے چاچا اچھی کو پکڑا دی۔

کچھ دیر بعد مان چاچے اچھی کے ہمراہ گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ راستے سے انہوں نے مطلوبہ دوائیاں خریدیں اور پھر چل پڑے۔

"پتر! سیدھا گھر چلے جانا اور جا کر دوائی ضرور کھا لینا!" دس منٹ بعد چاچا اچھی مان کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے اپنے گھر داخل ہو گیا اور مان کھڑا بائیں جانب بندھے گدھے کو دیکھنے لگا۔

کچھ سوچتے ہوئے مان گدھے کے قریب گیا اور جاتے ہی اس کے کان کو اپنے دانتوں میں لے کر اچھی طرح چبا ڈالا اور گدھے کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی وہاں سے لنگڑاتے ہوئے

بھاگ کھڑا ہوا۔

کچھ دور جا کر کر اس نے بے ترتیب ہوئی سانسوں کو بحال کیا اور زیرِلب ”ایک سے تو انتقام لے لیا۔ اے بدمعاش مرغے! تو بھی تیار رہ! اور میرے انتقام کا انتظار کر! میں آ رہا ہوں“ یہ دہراتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

مان گلی کے کنارے پہنچا تو اسے باہر کوئی مرغا بھی نظر نہ آیا۔ اس کے سر پر انتقام کا بھوت سوار تھا۔ لہٰذا وہ وہیں کھڑا ہو کر مرغے کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔

آدھ گھنٹے بعد مرغا جیسے ہی گھر سے باہر نکلا مان نے آگے بڑھ کر اپنی دائیں ٹانگ اس کے منہ پر مارنے کی کوشش کی۔ بائیں ٹانگ پہلے ہی زخمی تھی اب جو دائیں ٹانگ اٹھائی تو بائیں ٹانگ پر وزن برقرار نہ رہا اور مان دھرم سے نیچے آ گرا۔

”آہ! ہ ہ ہ!“ مان نے ایک سرد آہ بھری۔ ”گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں“ اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ لنگڑاتا ہوا مرغے کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

مرغا شاید اس کی نیت کو سمجھ گیا تھا اس لیے وہ فوراً ہی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور ”ککڑ ک روں“ کرنے لگا۔ مان نے بجھی ہوئی نظروں سے مرغے کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ مرغے سے ہار گیا ہو، پھر یک دم غصے سے سرخ ہو گیا اور ہاتھ منہ پر پھیرتے ہوئے کہا۔

”بھاگ لے جتنا بھاگ سکتا ہے لیکن یاد رکھ کہ جب مرغے کی موت آتی ہے تو وہ تندور کی طرف بھاگتا ہے لیکن اب کی بار تو تندور کی طرف نہیں بھاگے گا بلکہ میں تیری طرف بھاگوں گا اور میں تجھ سے دردناک انتقام لے کر پھر تجھے تندور میں ڈالوں گا۔“ یہ کہہ کر مان نے نفرت سے منہ پھیرا اور گھر کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

کوپن برائے ”وہ کون تھا؟“

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)



فرشتے کا تحفہ

محمد زبیر زائر

''تحفہ، وہ بھی اسلام کی طرف سے...!''

حنظلہ تاج حیرانی سے اس تحفے کو کھولنے لگا۔ جو خوبصورت کاغذ (گفٹ پیپر) میں لپٹا ہوا تھا اور اوپر ایک سفید کاغذ پر پرنٹ شدہ الفاظ ''اسلام کی طرف سے حنظلہ تاج کے لیے'' درج تھے۔ تحفہ واقعی شاندار تھا۔ اگلے دن جیسے ہی حنظلہ تاج سکول پہنچا تو اسلام سے بولا۔

''مجھے معاف کر دیں یار! کل مجھ سے غلطی ہوگئ تھی۔ آپ کا تحفہ واقعی دلچسپ تھا۔ بہت شکریہ''

''کون سا تحفہ......؟'' اسلام نے حیرانی سے کہا۔

''کل جو آپ نے بھیجا تھا۔ جس کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کا تذکرہ تھا''

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذاق...... ؟ یار مجھے بھی کتاب دینا''

اسلام نے دلچسپی سے درخواست کی۔

''کل لے آؤں گا'' حنظلہ تاج نے گویا وعدہ کیا۔

دراصل حنظلہ تاج اور اسلام دونوں چوتھی کلاس کے طالب علم تھے۔ ایک دن پہلے تفریح کے وقت اسلام نے حنظلہ تاج کی پیچھے سے آکر آنکھیں بند کرلیں تو حنظلہ تاج نے ایک تھپڑ رسید کر دیا اور چیخا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''یار! میں مذاق کر رہا تھا'' اسلام غصے سے کہتا ہوا کلاس میں چلا گیا۔ اسی شام حنظلہ تاج کو وہ تحفہ ملا جو اگلے دن اسلام کے ہاتھ میں تھا۔

کتاب کا نام تھا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح''

کتاب واقعی دلچسپ اور مزے دار تھی۔

پہلی حدیث تھی:

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اسے فرمایا:

''اے دو کانوں والے!''

(مشکوۃ، ابوداؤد والترمذی)

زیرلب مسکراتے ہوئے اسلام نے اگلا صفحہ پلٹا۔

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سواری طلب کی تو آپ نے فرمایا:

''میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔''

اس نے عرض کیا: میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اونٹنیاں ہی اونٹ کو جنم دیتی ہے..... (یعنی اونٹ بھی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے چاہے جتنا بڑا ہو)''

(مشکوۃ بحوالہ الترمذی وابوداؤد۔)

اب تو اسلام باقاعدہ قہقہے لگانے لگا۔ اگلے صفحے پر درج تھا:

''ایک صحابی زاہر بن حرام مدینہ منورہ کے بازار میں اپنا سامان فروخت کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر چپکے سے اس کی آنکھیں بند کرلیں۔ وہ چھڑانے کی کوشش کرنے لگا اور ساتھ ساتھ پوچھ رہا تھا کہ کون ہے؟ یہاں تک کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا'' (بحوالہ مشکوۃ)

اسلام کو یاد آیا کہ حنظلہ تاج اسی وجہ سے معافی مانگ رہا تھا کہ اب اسے احساس ہوگیا ہوگا کہ یہ مذاق تو ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے......

''لیکن اسے یہ احساس دینے کے لیے کتاب کس نے دی ہے؟'' اس سوال کا جواب دونوں کے پاس نہیں تھا۔ پوری کتاب ہی ایسے دلچسپ واقعات سے بھری ہوئی تھی۔ کتاب مکمل پڑھنے کے بعد اسلام اپنی والدہ محترمہ کے پاس گیا اور اسے سارا ماجرا سنا کر اپنے سوال کا جواب مانگا۔

''جب اللہ کسی کو ہدایت دینا چاہتے ہیں تو اسباب خود پیدا کر دیتے ہیں'' اس کی والدہ محترمہ نے جواب دیا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مذاق کرتے تھے؟'' اسلام حیرت سے بولا۔

''ایسا مذاق، جس میں جھوٹ نہ ہو اسلام میں جائز ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی چونکہ ایک نمونہ (رول ماڈل) ہے اس لیے آپ ﷺ نے یہ بھی کر کے دکھایا'' والدہ نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

اسلام کو اسی کتاب میں پڑھی ہوئی حدیث یاد آئی کہ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حیرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ﷺ کے مزاح کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے

جواب دیا......

"میں (ہر حال میں) حق (سچ) ہی کہتا ہوں"

(مشکوۃ بحوالہ ترمذی)

اگلے دن تفریح کے وقت اسلام اور حنظلہ تاج دونوں اکٹھے بیٹھے "ایک سوال" کا جواب تلاش کر رہے تھے۔

"کتاب کس فرشتے نے تحفتاً بھیجی؟"

جبکہ دور اسٹاف روم کی کھڑکی سے سر فاروق معاویہ انہیں اکھٹے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

دو دن قبل وہ گراؤنڈ میں سے گزر رہے تھے جب انہوں نے اسلام اور حنظلہ تاج کا مزاح سے شروع ہو کر تھپڑ پر ختم ہونے والا معاملہ دیکھا، انہوں نے ان کو سبق سکھانے کی فوری ترکیب بنا ڈالی اور ترکیب کامیاب بھی ہوگئی تھی۔

❁❁❁

سقیفہ بنی ساعدہ

مسجد نبوی کے شمال مغربی علاقے کا وہ باغ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ کرام جمع ہوئے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام کی سب سے پہلی خلافت کی بیعت کی۔ مسجد النبوی الشریف کی توسیع کے بعد یہ باغ مسجد النبوی الشریف میں داخل ہوگیا ہے۔

ایک ہزار 400 سال سے یہ باغ اپنی جگہ پر اصلی حالت میں موجود ہے۔





آ بیل مجھے مار

سیدہ ناجیہ شعیب



کھابڑو میاں کو اماں کجل نے دعوتِ عقیقہ کا مژدہ سنایا تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل گئیں۔

کھابڑو میاں کھانے پینے کے شوقین ہی نہیں بلکہ دیوانے ہیں۔ بلا کے چٹورے ہیں پکوڑے سموسے، چاٹ، دہی بھلوں کا نام سنتے ان کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ بریانی، قورمہ، تکے، کسٹرڈ، کھیر موقع ملے تو سب کا سب ہڑپ کر جائیں۔

اپنے اس ندیدے پن کی وجہ سے وہ اتنے بدنام ہوگئے ہیں کہ اپنے پرائے سب انہیں دعوتوں میں بلانے سے سخت کتراتے ہیں۔

غضب خدا کا جو کسی نے بھولے سے کھابڑو کو کھانے کی دعوت دے دی۔ شادی بیاہ میں انہیں کون بلائے؟ قریبی رشتے دار کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہتے ہیں۔

"ارے وہ بھوکا ندیدہ! وہ تو منٹوں میں دیگ کی دیگ چٹ کر جائے اور ڈکار بھی نہ لے۔"

"توبہ! توبہ دھان پان سا ہے یہ کھابڑو، اتنا کھاتا ہے، مگر سب جاتا کہاں ہے؟......"

❀❀❀

خالہ بھلکڑ کے پوتے کا عقیقہ تھا۔ رشتے داروں کو دعوت دیتے ہوئے جب خالہ کجل کا نام آیا تو سب نہ نہ کرتے ہوئے اچھل پڑے مگر خالہ بھلکڑ نے کلیجہ تھام لیا روتی شکل بنا کر بولیں۔

"اے لو! لے دے کے ایک ہی سگی اکلوتی بیوہ بہن ہے میری اب اس کو نہ بلاؤں گی تو لوگ کیا کہیں گے؟"

گھر والوں کے لاکھ منع کرنے کے باوجود خالہ بھلکڑ نے فون کھڑکا ہی دیا۔

"عقیقہ ماشاءاللہ بہت مبارک ہو" خالہ کجل

نے بہن کو کھلے دل مبارک باد دی۔ اگلا جملہ سنتے ہی حیرت سے ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "دعوت"

ادھر کھابڑو کے دل میں تو جیسے لڈو پھوٹ پڑے۔ کھانے پر بھوکے ندیدوں کی طرح ٹوٹ پڑنے کی عادت کی وجہ سے ان کا کہیں بھی آنا جانا ناممکن ہوگیا تھا۔ وہ لگے اماں کجل کی منتیں ترلے کرنے۔ ماں کا نرم دل پسیج گیا۔

"میرے لعل! بس کھانے پر ہولا ہاتھ رکھیو! تیری ماں کی عجت کا سوال ہے۔" پر جی کھابڑو کو تو صرف کھانا ٹھونسنے سے مطلب تھا۔ اس نے ماں کی درخواست کو سرسری سا لیتے ہوئے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا تھا۔

گھر کے بڑے سے لان میں کھانے پینے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کچھ مہمان لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ البتہ کچھ مہمانوں کی آمد و رفت گھر کے اندرونی کمروں میں بھی جاری تھی۔ بس ایک خالہ کجل تھیں جو کونے کی کرسی پر کھابڑو میاں کو لیے ایک ہی جگہ جم کر بیٹھ گئی تھیں۔

کھانے کھلتے ہی مہمان طریقے سے اٹھے۔ پلیٹوں میں ذرا سا سالن روٹی اور سلاد لے کر اپنی سیٹوں پر بیٹھے بڑے مہذب اور شائستہ انداز سے کھانا تناول کرنے لگے۔ ان کے ہر انداز سے تکلف جھلک رہا تھا۔

کھانے میں "مٹن کڑاہی" تھی۔ کھانے کی سوندھی اور اشتہا انگیز خوشبو پورے لان میں پھیلی ہوئی تھی۔ خالہ کجل نے بڑی مشکل سے لرزتے ترسے ندیدے کھابڑو کو روک رکھا تھا مگر کب تک کھابڑو مٹن کڑاہی پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے بے تاب تھا۔

"میٹھے میں ربڑی کھیر ہے۔ آہا! واہ! واہ! آج تو جی بھر کر کھاؤں گا۔" برابر والی میز پر مہمان بچوں کو کھیر کھاتا دیکھ کر کھابڑو میاں مچل اٹھے تھے۔

اس اڑیل بھیتجے کو خالہ کجل نے کیسے قابو کر کے رکھا ہوا تھا۔ یہ الگ قصہ ہے۔

تقریب اختتام پر تھی۔ دھیرے دھیرے تمام مہمان رخصت ہونا شروع ہوئے تو اماں کجل نے اطمینان کا گہرا سانس بھرا۔ محتاط نگاہوں سے جائزہ لینے کے بعد کھابڑو میاں کو ایک کونے پر بٹھا کر ہدایت دی کہ جب تک میں واپس آ نہ جاؤں یہاں سے ہلنا نہیں۔ بھینس کی طرح سر ہلاتے ہوئے یقین دلایا تو خالہ کجل نے وہاں سے اٹھنے کی ہمت کی۔

اماں کجل بہن کے بلانے پر کھینچی چلی تو آئی تھیں مگر کس دل سے؟ کوئی ان سے پوچھے۔ پوری تقریب میں سوائے خالہ بھلکڑ کے کسی ایک نے بھی انہیں گھاس نہ ڈالی۔ وجہ وہی مرغے کی ایک ٹانگ یعنی میاں کھابڑو۔ مگر بھئی رشتہ تو انہیں بھی نبھانا تھا سو نومولود بچے کے لیے جو کچھ تحفے لائی تھیں وہ دینے کی غرض سے منجھلی بہو کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"ماشاءاللہ، ماشاءاللہ" کہتے ہوئے وہ جگہ

بناتے ہوئے خالہ بھلکڑ سے گلے ملیں۔ بہن کے پہلے پوتے کو تحفے تحائف کے ساتھ سلامی بھی دی۔ خالہ بھلکڑ کا دل بہن کی محبت سے چور ہو گیا۔ وہ اپنی اکلوتی بہن کا ہاتھ پکڑے پرانی یادیں تازہ کرنے لگیں۔ اُدھر اماں کا بے صبری سے انتظار کرتے بھوک کے کچے کھابڑو میاں کے پیٹ میں چوہے دوڑنا شروع ہو چکے تھے۔ میدان صاف دیکھ کر کھابڑو میاں بھوکے بیل کی طرح بچے ہوئے کھانے کی میز پر ٹوٹ پڑے۔ اماں کے واپس آتے آتے کھابڑو میاں کھبڑ کھبڑ کر کے سارا کھانا اپنے معدے میں اتار چکے تھے۔

اماں کجل نے کھابڑو میاں کو ڈکار لیتے ہوئے بھانپ لیا تھا کہ اب خیر نہیں، بہن سے الوداعی ملاقات کرنا اپنی شامت کو آواز دینے کے مترادف ہو گا سو پھرتی سے کھابڑو کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے داخلی دروازے کی جانب لپکیں اور چوکھٹ پار کر گئیں۔

۞۞۞

عقیقے کی تقریب اختتام پذیر ہو چکی تھی۔ لان میں جھوٹے برتن اور ڈیکوریشن کا دیگر سامان دھرا ہوا تھا۔ اندر بڑے کمرے میں بہو بیٹے اور بیٹیاں جمع ہو کر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ دن بھر کے تھکے ہارے میزبانوں کی بھوک مٹن کڑاہی کا خیال آتے ہی چمک اٹھی تھی۔ سو انہوں نے خواتین کی منت سماجت کرنا شروع کر دی وہ باورچی خانے میں جا کر کھانے لگانے کا انتظام کریں۔

۞۞۞

خالہ بھلکڑ، خالو مچھڑ کے ساتھ آخری مہمان کو دروازے سے رخصت کر کے واپس پلٹیں تو بڑی بیٹی کی چیخ سن کر لان میں دوڑی چلی آئیں۔

باورچی خانے میں اپنے دونوں ہاتھ افسوس سے ملتے ہوئے خالہ بھلکڑ بری طرح پچھتا رہیں تھیں۔ خالو مچھڑ غصے سے آگ بگولہ ہو کر اپنی بھلکڑ بیگم پر برسنا شروع ہو گئے۔ یقیناً ان کا غصہ بجا تھا وہ بول رہے تھے۔

"میں نے کہا تھا نا کہ عقیقے میں دو بکرے ذبح ہوئے ہیں، ایک بکرے کا گوشت غرباء اور رشتے داروں میں تقسیم کر دو۔ اپنی بہن کجل کے گھر بھی بھیج دینا، انہیں عقیقے میں گھر پر بلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"

"اماں! ایرے غیرے لوگوں کو بلا لینا مگر اس کھابڑو کو نہ بلانا۔" خالو مچھڑ کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے بڑے بیٹے بہو نے بھی دبے الفاظ میں کہا تھا۔

مگر تب خالہ بھلکڑ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی تھی۔

مٹن کڑاہی کا خالی پتیلا، کھیر کے صفاچٹ برتن دیکھ کر خالو مچھڑ کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ ان کے علاقے میں رات گئے تک ہوٹل

کھلے رہنے کا رواج نہیں تھا۔ سو چاروناچار فریج کھنگالا گیا۔ صد شکر کہ چار ٹماٹر چھ انڈے مل گئے۔ دو مٹھائی کے ڈبے بھی جو فریج میں رکھ دیے گئے تھے۔ شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے باورچی خانے کا رخ کیا گیا۔

جھوٹے برتن پٹختے ہوئے چھٹکی بڑبڑا رہی تھی۔

"بوٹی تو بوٹی گریوی بھی چاٹ گیا۔ کھیر تک نہ چھوڑی ظالم نے ہمارے لیے سب کچھ چٹ کر گیا۔"

دس افراد کے لیے چھ انڈوں کے آملیٹ کے لیے ڈھیر ساری پیاز چھیلتے ہوئے بیٹیوں کو رونے کا بہانا مل گیا تھا۔

"مخنی سا تو تھا بے چارہ۔ اماں سے کہا بھی تھا کہ شوربے والا آلو گوشت پکوا لیتے ہیں۔ برکت ہو جائے گی اور سب پیٹ بھر کر کھا لیں گے۔"

رات کے ایک بجے عقیقے والے گھر میں تندوری روٹیوں کے ساتھ انڈوں کا آملیٹ کھاتے ہوئے وہ سب آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتے ہوئے آہیں بھر رہے تھے۔

خالو مچھڑ نے خالہ بھلکڑ کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا پھر اپنی لمبی لمبی مونچھوں کو تاؤ دیا اور پھنکارتے ہوئے بولے:

"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! میری بھلکڑ بیوی کے سر پر تو رشتے داری نبھانے کا شوق سوار تھا نا، لو اب بھگتو!"

"اسے کہتے ہیں آ بیل مجھے مار!"

❀❀❀

کام کی بات

اپنے مخالف اور اپنے حاسد کے لئے دل سے دعا کریں گے تو سینے کا غبار اور دل کا میل ایسے اتر جائے گا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

اپنے سب سے بڑے مخالف اور بغض رکھنے والے کا باقاعدہ نام لے کر ایک بار دعا کر کے دیکھیں دل سے میل دھل جائے گا۔ دعا کی اصل لذت اور قبولیت کی تسکین تب حاصل ہوتی ہے جب دوسروں کو بغیر کسی لالچ کے صدقِ دل سے دعائیں دی جائیں۔

کسی کو پیٹھ پیچھے دعا دے کر دیکھیں، اپنی دعاؤں میں کیسی لذت اور سرور حاصل ہوگا جس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اپنے نصیب پر ہر حال میں خوش رہیں اپنے مقدر پر راضی رہیں اور دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کرتے ہوئے زندگی انجوائے کریں۔

وثیقہ بنت زبیر

چوری

بہرام علی وٹو

احمد بہت زیادہ شرارتی بچہ تھا۔ اُس کے والدین کے مالی حالات اتنے زیادہ اچھے نہ تھے لیکن پھر بھی وہ احمد کو ایک اچھے سکول میں پڑھا رہے تھے۔ احمد کا والد ایک پرائیوٹ کمپنی میں بطور سکورٹی گارڈ کام کرتا تھا۔

احمد ذہین تو تھا لیکن اُس نے ایک بہت بُری عادت چوری کی پالی ہوئی تھی۔ وہ گھر سے کاپی پینسل لینے کے لیے پیسے لیتا لیکن اُنہیں پیسوں کے وہ پاپڑ بسکٹ کھالیتا تھا۔ وہ اکثر کاپی اور پینسلیں اپنے کلاس فیلوز کی چوری کر لیتا تھا۔

پہل پہلے تو بچوں کو پتہ نہیں چلا۔ مثال ہے "سو دن چور کا، ایک دن مالک کا" اسی طرح جلد ہی تین عدد کاپیاں چوری کی گئی اُس کے بیگ سے برآمد ہوئیں۔ لڑکوں نے اُستاد کو بتایا تو اُستاد صاحب نے احمد کو اچھی خاصی ڈانٹ پلائی تاکہ احمد ایسی بُری عادت کو چھوڑ دو! لیکن احمد کی کان میں جوں تک نہ رینگی اُس نے بات ایک کان سے سُنی اور دوسرے سے نکال دیا۔

اُس نے اپنی بُری عادت کو ویسے اپنائے رکھا۔ اب اُس کے تمام کلاس فیلوز اُس سے دور رہنے لگے۔ کوئی بھی اُسے اپنا دوست نہ بناتا تھا۔ باقی سارے بچے آپس میں مل کر کھیلتے لیکن وہ احمد کو بُلاتے تک نہیں تھے۔ اُستاد بھی اُس کو روزانہ ڈانٹ ڈپٹ دینے سے تنگ آ چکے تھے۔ اُنہوں نے ایک دن احمد کے گھر کال کی۔

احمد کی والدہ جب سکول پہنچی تو پرنسپل صاحب نے احمد کو مزید سکول پڑھانے سے صاف انکار کر دیا۔ جب احمد کی والدہ نے وجہ جانی تو وہ بھی حیران تھی۔ اُسے احمد سے اُمید نہیں تھی کہ وہ سکول میں ایسے کام کرتا ہوگا۔ اُس نے پرنسپل صاحب سے احمد کی طرف سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ احمد ایسا کوئی غلط فعل نہیں کرے گا۔



احمد جب رات کو سونے لگا تو اُس کی ماں نے شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آج میں اپنے بیٹے کو ایک کہانی سُناؤں گی۔ تم سنو گے ناں؟"

احمد نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ اُس کی ماں نے کہانی سُنانا شروع کر دی۔

"نوید ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اُس کا والد بہت غریب تھا۔ اُس کا والد معمولی ملازمت کرتا تھا۔ نوید کی ماں کو بہت شوق تھا کہ نوید اچھی تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ افسر بن جائے لیکن نوید کی ایک عادت بہت بری تھی کہ وہ سکول میں چوری کرتا تھا۔ جس وجہ سے سکول والوں نے اُسے سکول سے نکال دیا۔ لیکن نوید نے یہ بُری عادت نہ چھوڑی بلکہ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا اُس نے چوریاں بڑی کرنا شروع کر دی۔ ایک دن وہ پولیس کے ہاتھوں چوری کرتا پکڑا گیا اور اُسے سزا ہو گئی اور اُس کی ماں بچاری روتی رہ گئی۔ یوں نوید ایک اعلیٰ آفسر بننے کی بجائے صرف چوری کرنے کی وجہ سے مجرم بن گیا تھا۔"

اُس کی ماں نے کہانی کا اختتام کرتے ہوئے احمد سے پوچھا۔

"پیارے احمد! تم بتاؤ کہ اس کہانی میں تم نے کیا سبق سیکھا؟"

"امی جی! چوری ایک بہت بُری عادت ہے۔ یہ انسان کو اعلیٰ آفسر بنانے کی بجائے مُجرم بنا دیتی ہے۔" احمد نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"تم نے بہت اچھی بات کہی۔ بیٹا! الحمدللہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ پھر یہ کام اللہ پاک کو بالکل پسند نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے بھی سختی سے چوری نہ کرنے کا حُکم صادر فرمایا ہے۔ آخرت میں چوری کرنے والے کو سخت سزا بھی ملے گی۔" اُس کی ماں نے شاباش دیتے ہوئے کہا۔

احمد کو اس کہانی میں اپنی جھلک نظر آنے لگی۔ وہ خود ہی سمجھ چکا تھا کہ اگر اُس نے یہ عادت نہ چھوڑی تو اُس کا انجام بھی نوید جیسا ہو گا۔

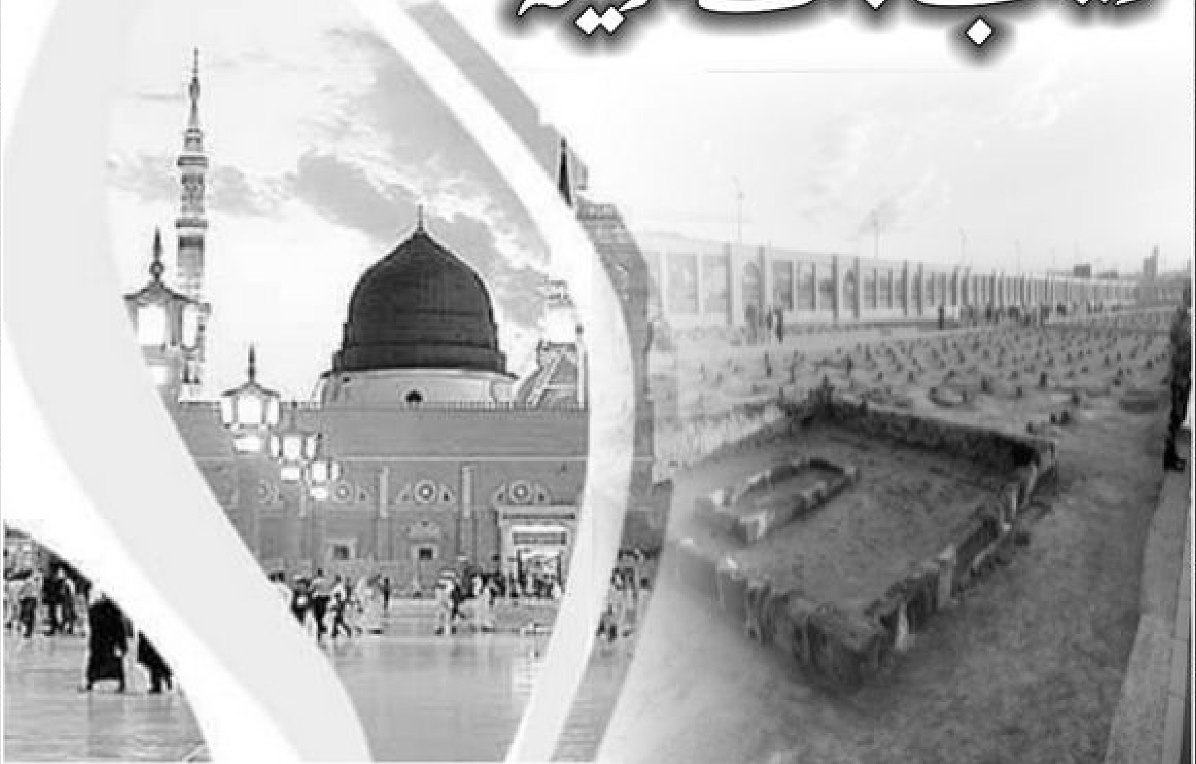
اُسے اپنی اس بُری عادت کے خلاف سخت نفرت ہو گئی تھی کیوں کہ وہ نہ تو اپنی ماں کے آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتا تھا نہ وہ خود مجرم بننا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں پکی سچی توبہ کر لی۔ چند دنوں بعد وہ تمام کلاس فیلو اُس کے اچھے دوست بھی بن گئے تھے کیوں کہ اب وہ کوئی بھی چیز چوری نہیں کرتا تھا۔ اب وہ دل لگا کر پڑھنے بھی لگا تھا تا کہ وہ اپنی ماں کا خواب پورا کر سکے۔ کیوں کہ اُس کی ماں روزانہ اُسے کہا کرتی تھی کہ ان شاءاللہ ایک دن وہ ضرور آئے گا جب میں اپنے احمد کو بڑا آفسر بنے دیکھوں گی۔

آخر کار خدا نے ایک ماں کی دعا اور احمد کی محنت کی بدولت احمد کو اعلیٰ آفسر بنا دیا۔

احمد اپنے ماں اور باپ کو اپنے ساتھ عمرہ کی سعادت بھی حاصل کروا لایا۔ اُس کے والدین کے لیے وہ بہت خوشی کے لمحات تھے۔ احمد بھی خوش تھا کہ اُس نے اپنی ماں کا خواب پورا کر دیا۔

شانِ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

دانیال حسن



آج جمعہ ہے اور سب بچے نانی اماں کے پاس مقررہ وقت پر جمع ہو چکے ہیں۔ ابتدائی باتوں کے بعد نانی اماں نے پوچھا۔

''ہاں بھئی بچو! امید ہے تمہیں پچھلی نشست کا اختتام یاد ہوگا۔ ہم امہات المومنین کے سلسلے کو پڑھ رہے ہیں اور اب ہم ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے بارے میں جانیں گے۔''

''جی ہاں ہم تیار ہیں'' سب بچوں نے پر جوش ہو کر جواب دیا۔ نانی اماں نے بولنا شروع کیا۔

''حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے زیادہ حالات کتب میں نہیں ملتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں چند ماہ ہی رہیں۔ بہر حال جو کچھ میسر ہوا ہے، اس پر گفتگو کرتے ہیں۔

ام المومنین حضرت زینبؓ حارث ہلالی کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کا قبیلہ بنو ہلال قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھا۔ یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور یمن میں آباد ہو گئے تھے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، ام المساکین، یعنی مساکین کی ماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سے پانچویں زوجہ تھیں جو چند ماہ زوجہ رہیں اور پھر وفات پا گئیں۔ آپؓ کی وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کی بہن

میمونہ بنت حارث سے شادی فرمائی۔ ان دونوں کی والدہ ہند بنت عوف تھیں۔ آپؓ کے والد کا نام خزیمہ تھا۔ ام المساکین کنیت تھی۔ فقراء اور مساکین کے ساتھ فیاضی کرتی تھیں۔ اس لیے اس کنیت سے مشہور ہوگئیں۔

ہاں نائلہ! اب آگے تم بتاؤ گی؟''

نائلہ نے بولنا شروع کیا۔

''یہ ہفتہ 7 شوال تین ہجری کی ایک بظاہر خوشگوار، سیاہ اور خاموش رات تھی۔ پرسکون ماحول کی فضاء میں کبھی کبھی گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں ارتعاش پیدا کر دیتیں۔ کوہ احد کے دامن میں ہونے والی غزوہ احد میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کے لئے تیار، اللہ کے دو سپاہی نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد بیٹھے تھے، موضوع گفتگو صبح مشرکین مکہ کے ساتھ ہونے والی جنگ تھی۔

کچھ دیر بعد دونوں نے اللہ کے آگے دست دعا پھیلا دیئے۔ ایک دوست نے دعا مانگی۔

''اے اللہ! ہم تیری رضا، تیرے دین کی سر بلندی کے لئے تیرے محبوب ﷺ کی سر براہی میں اس میدان بیابان میں موجود ہیں۔ اے اللہ! مجھ میں ہمت عطا فرما، اور جو طاقت ور سے طاقت ور دشمن بھی میرے مقابلے پر آئے، میں اسے زیر دست کر کے اس کی گردن ناپوں۔''

یہ مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔ ان کی اس دعا پر دوسرے ساتھی عبداللہ ابن جحش آمین کہہ رہے تھے۔ اب عبداللہ بن جحش نے دعا مانگی۔

''اے معبود برحق! جو طاقت ور سے طاقت ور دشمن میرے مقابلے پر آئے اور مجھ سے پنجہ لڑائے اور زور آزمائی کرے تو میں بھی زور لگاؤں اور اس کشمکش میں، میں تیرے دین پر قربان ہو جاؤں اور میدان جنگ میں اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا ہوا، اسی طرح شہید ہو جاؤں کہ دشمن میں سے کوئی میرے ناک کان کاٹ لے اور جب میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، تو، آپ مجھ سے پوچھیں ''اے عبداللہ! تیرے یہ اعضا کہاں گئے؟'' تو میں کہوں۔ اے میرے رب! یہ تیری رضا میں قربان ہو گئے اور پھر میرے رب! تو میری بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہے۔ اے عبداللہ، تو نے سچ کہا۔''

اس دعا پر سعد بن ابی وقاص نے کہا، آمین، عرش پر موجود اللہ نے دونوں کی دعائیں قبول کیں اور انہیں شرف قبولیت بخشا۔

صبح، میدان جنگ میں گھمسان کا رن پڑا۔ جذبہ شہادت سے لبریز صحابہ مشرکین پر اللہ کا قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ سعد بن ابی وقاص کی تلوار نے کفار مکہ کے سروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ ان کی تلوار بجلی کی چمک کی طرح مشرکین کی گردنوں کو کاٹتی ہوئی لمحوں میں ان کے جسموں کو سر کے بوجھ سے آزاد کر دیتی۔ حضرت حمزہ بپھرے

ہوئے شیر کی طرح مشرکین کے جسموں کو ان ہی کے خون سے نہلاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ابو دجانہ کے سر پر بندھی سرخ پٹی بھی اس بات کی گواہ تھی کہ ابو دجانہ نے اب سر سے کفن باندھ لیا ہے۔

عبداللہ بن جحش، مصعب بن عمیر، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور دیگر مجاہدین اسلام شجاعت، بہادری، جانبازی کی داستانیں رقم کر رہے تھے۔ کفار مکہ کی صفوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ 200 سرفروشان اسلام نے اپنے سے کئی گنا زیادہ کفار کر کے لشکر کو اپنا مال واسباب چھوڑ کر جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

مشرکین کا سپہ سالار ابوسفیان میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔ ایسے میں ایک چھوٹی سی غلطی نے پانسہ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ جی ہاں یہ میدان احد کی بات ہو رہی ہے اور یہی عبداللہ ابن جحش ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر تھے جنہوں نے اسلام کے لیے اپنی جان تک قربان کر دی۔"

"واہ سبحان اللہ! کیا خوب نقشہ کھینچا ہے، اب آگے چلو!" دادی نے کہا۔

"عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سمیت چند صحابہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بھی دشمن سے برسر پیکار تھے۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار مشرکین کے جسموں کے ٹکڑے کرتے ہوئے خود ٹوٹ گئی۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہا، یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری تلوار ٹوٹ چکی ہے۔ دوسری دے دیں۔ اس وقت کوئی تلوار تو نہ تھی، ہاں قریب ہی کھجور کی ایک ٹہنی پڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"عبداللہ! یہ تمہاری تلوار ہے"

اور پھر احد کی فضاؤں نے قوت ایمانی کا یہ منظر بھی دیکھا کہ وہ ٹہنی جس مشرک کے جسم پر پڑتی، اس کا جسم ہی اس جگہ سے ٹکڑے ہو کر گر پڑتا، یہاں تک کہ آپ دشمنان اسلام سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

اور پھر ان کی دعا کے عین مطابق ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عقبہ نے دوسری مشرک عورتوں کے ساتھ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سمیت متعدد جلیل القدر صحابہ کے جسموں کی بے حرمتی کرتے ہوئے ان کے ناک کان سمیت دیگر اعضاء کاٹ کر انہیں ہار کی صورت میں پرو کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔"

"عائشہ! یہ بتائیں شوہر کی شہادت پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کیا ردعمل تھا؟"

عائشہ بولی۔

"حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع آپ رضی اللہ عنہا کو ملی تو اس وقت آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ احد کے زخمیوں کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے میں مصروف تھیں۔ شوہر کی شہادت کا سن کر ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں لیکن صبر کا

دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ بس اتنا کہا، اے اللہ تیرا ہر حال میں شکر، تیری رضا ہی میں میری رضا ہے۔

شہدا کی تدفین کے لئے آپ ﷺ تشریف لائے۔ مجاہدین کی لاشوں کو دیکھتے ہوئے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش کے قریب پہنچے تو بہادر چچا کا یہ حال دیکھ کر سخت غمگین ہو گئے۔ ساتھ ہی عبداللہ بن جحشؓ کی لاش کا مثلہ کیا گیا تھا۔

آپ ﷺ نے حکم دیا کہ حمزہ اور عبداللہ بن جحشؓ کو ایک ساتھ ہی دفن کر دو۔ عبداللہ بن جحشؓ حضرت حمزہؓ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ شہدا کی تدفین کے بعد آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے۔

اور پھر آپ ﷺ نے شہدا کے لواحقین سے تعزیت کرنے اور انہیں تسلی و دلاسہ دینے کے لئے ان کے گھروں پر جانے کا سلسلہ شروع کیا حالانکہ آپ ﷺ خود بھی زخمی حالت میں تھے۔ آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی زوجہ حضرت زینبؓ سے ملے، جو شوہر کی وفات کے بعد بہت غمگین اور رنجیدہ تھیں۔ حضور اکرم ﷺ سے مل کر آبدیدہ ہو گئیں۔ انہیں اپنے شوہر سے بڑی محبت تھی جو ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اب ان کی وفات کے بعد وہ بالکل تنہا رہ گئیں تھیں۔ حضور ﷺ کو اس بات کا بڑا احساس تھا۔

ان کے شوہر کی قربانی اور اللہ کی راہ میں اس شان سے جان کا نذرانہ پیش کرنا، اللہ کے محبوب ﷺ کی نظروں میں ان کی قدر و منزلت بڑھ گیا تھا۔ غزوہ احد میں 70 صحابہ شہید ہوئے اور بہت سے زخمی، ان میں بھاری تعداد مدینہ کے انصار کی تھی۔ اس وقت اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اہل مدینہ کے حوصلوں کو بلند کیا جائے اور ان کی دلجوئی کی جائے۔"

"حسان! یہ بتاؤ! ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا نبی کریم ﷺ سے نکاح کب ہوا؟"

حسان نے جواب دیا۔

"حضرت زینبؓ مدینہ میں بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ معاشرے میں ان کا بڑا مقام تھا، ویسے بھی وہ "ام المساکین" کے نام سے مشہور تھیں۔ اب وہ بالکل تنہا ہو گئی تھیں، انہیں کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔ ان کی عدت ختم ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا۔

حضرت زینب کے لئے یہ پیغام اللہ کی طرف سے ایک انعام تھا۔ لہٰذا انہوں نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔ اس طرح حضرت زینبؓ ام المساکین کے ساتھ ام المومنین بن گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے 400 درہم حق مہر ادا کیا۔ نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر 30 سال تھی۔

اس نکاح میں مشورے کے پیش نظر حضرت

زینبؓ کے ساتھ ساتھ اہل مدینہ کی دلجوئی بھی متصور تھی۔ مدینہ کے انصار و مجاہدین اور شہدا کے لواحقین نے آپ ﷺ کے اس اقدام کو شہدا کے لئے ایک بہترین خراج تحسین کے طور پر پسند فرمایا اور ان کی حوصلہ افزائی کا سبب بنا۔

حضرت زینبؓ سے شادی کے آپ ﷺ کے اس فیصلے نے مدینہ کی مجموعی صورت حال پر نفسیاتی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے بڑے مثبت اثرات مرتب کئے۔"

"تحریم! تم ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی فیاضی کے متعلق کیا جانتی ہو؟"

تحریم نے بولنا شروع کیا۔

"حضرت زینبؓ کے والد خزیمہ مکہ کے بہت بڑے رئیس تھے۔ ان کے گھر میں دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ حضرت زینبؓ نے اپنا بچپن بڑے ناز و نعم میں شہزادیوں کی طرح گزارا، وہ شروع ہی سے دوسرے بچوں سے منفرد تھیں۔ عاجزی و انکساری، فیاضی، سخاوت، رحم اور ہمدردی کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

بچپن ہی سے لوگوں کے دکھ درد میں ان کا ساتھ دینا، ان سے ہمدردی کرنا، اور ان کی مالی مدد کرنا، ان کا معمول تھا۔ ان کی سخاوت و فیاضی اتنی عام ہوئی کہ اہل مکہ انہیں "ام المساکین" کہنے لگے۔ وہ جہاں سے گزرتیں، سب کہتے کہ دیکھو وہ "ام المساکین" جا رہی ہیں۔

مدینہ میں ہجرت کے بعد بھی ان کی سخاوت و فیاضی بدستور جاری رہی۔ اللہ نے دونوں شوہر بھی ایسے دیئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پرستار تھے۔ لہٰذا دریا دلی اپنے عروج پر رہی اور مدینہ کے لوگ بھی انہیں ان کے اصل نام کے بجائے ام المساکین کے نام سے پکارنے لگے۔

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ حضرت زینب بنت خزیمہؓ کو ان کی رحم دلی اور نرمی کی وجہ سے ام المساکین کہا جاتا تھا۔ الاستیعاب اور الاصابتہ میں تحریر ہے کہ کیونکہ حضرت زینب بنت خزیمہؓ مسکینوں کو کھانا کھلاتیں اور صدقہ خیرات دیتی تھیں، اس کے ان کو ام المساکین کہا جاتا تھا۔"

"شاباش! اب آگے سنو!

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے۔ سب نے اپنے اپنے ہاتھ ناپے تو حضرت سودہؓ کیونکہ ڈیل ڈول میں سب سے بلند تھیں۔ لہٰذا ان کے ہاتھ ہی لمبے نکلے۔ لیکن ہوا یہ کہ سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہو گیا تو معلوم ہوا کی ہاتھ کی لمبائی سے مقصد سخاوت اور فیاضی تھی اور وہ اس میں سب سے آگے تھیں

اکثر محدثین کی رائے ہے کہ حضرت زینبؓ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف تین ماہ گزارے اور 3 ہجری میں آپؓ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ مؤرخین نے

4 ہجری بھی تحریر کیا ہے۔ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان دو ازواج مطہرات کا انتقال حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی ہوا۔حضرت خدیجہؓ کا انتقال مکہ میں ہوا۔

جبکہ حضرت زینبؓ کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔انتقال کے وقت آپؓ کی عمر 30 سال تھی۔مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی حیات میں انتقال کرنے والی یہ پہلی زوجہ تھیں۔باقی سب کا انتقال آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہوا۔"

❁❁❁

یہ ہیں امت کی وہ مائیں، جن کا عزم و ہمت، ایثار و قربانی، عمل و بیداری اور محبت و وفا کالا زوال، بیش بہا پیغام ہم نے فراموش کر دیا۔

عیسائی مذہب میں ایک ماں حضرت مریم کی دیو مالائی تصویر تقدیس و تکریم کے اس مقام پر نظر آتی ہے کہ جس کے بغیر ان کا معاشرہ نامکمل ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں امہات المومنین کی حیات طیبہ کا ایک ایک پہلو اتنا عظیم الشان اور روشن ہے کہ اگر ہم اس میں سے چند ہی کو اپنی زندگیوں میں شامل کرلیں تو ہمیں اپنے معاشرے میں حقوق نسواں کے لئے کسی تحریک کی ضرورت نہ ہو۔

عشق رسول ﷺ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان کی زندگیوں کی کتاب کے ایک ایک ورق پہ لکھی ہوئی حکمتوں کی اصول تحریروں سے سبق حاصل کرتے اور ان پر عمل کرتے، تو آج امت مسلمہ کی مائیں بانجھ نہ ہوتیں اور نہ قوم کسی خالد بن ولیدؓ، صلاح الدین ایوبیؒ، محمود غزنویؒ، محمد بن قاسمؒ کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی اور نہ ہی امت مسلمہ کا خون اتنا ارزاں ہوتا کہ جس کا دل چاہتا کہ اپنے نئے ہتھیاروں کو آزمانے کے لئے ان کے خون کی ندیاں بہا دیتا۔

آئیں پھر سے عہد کریں کہ ان عظیم المرتبت روشن قندیلوں سے اپنی زندگی کی اندھیری راتوں کو منور کرلیں جس کی ابتدا گھر ہی سے ہوگیا ور اس جنت میں پرورش پانے والے پھول امت مسلمہ کے سر کا تاج ہونگے۔ان شاء اللہ۔

❁❁❁

فیاضی اور نرمی سے کام لینے والا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرے جو بیچتے وقت اور خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت فیاضی اور نرمی سے کام لیتا ہے۔

ہمشیرہ محمد احمد

سردی اور عبادت

عرفان اللہ اختر

اللہ رب العزت نے ہر موسم میں کوئی نہ کوئی فوائد و منافع ضرور رکھے ہیں جس کو ہر عقل مند اور ذی شعور انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مسلمان کے لیے سردی بہار کا موسم ہے۔"

(المسند للامام احمد)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:

"مسلمان کے لیے سردی بہار کا موسم ہے کہ اس میں مومن اطاعت کے باغات میں چرتا ہے اور عبادات کے میدانوں کی سیر کرتا ہے اور سردی میں بآسانی کیے جانے والے اعمال صالحہ کے باغات میں اس کا دل خوش ہو رہا ہوتا ہے۔ جس طرح بہار کے موسم میں سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے اور جانور چراگاہوں میں چرتے ہیں اور فربہ ہو جاتے ہیں اور یوں چوپایوں کے جسم کی اصلاح ہوتی ہے پس اسی طرح سردی کے موسم میں عبادات کو اللہ تعالیٰ مسلمان کے لیے آسان کر دیتا ہے۔ اس سے اس کے دین کی اصلاح ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کیا میں تم لوگوں کی رہنمائی ٹھنڈی غنیمت کی طرف نہ کروں؟ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سردیوں میں روزے رکھنا۔ (لطائف المعارف)





حضرت عامر بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

"سردی کے موسم میں روزہ رکھنا ٹھنڈی

غنیمت ہے۔" (ترمذی)

جب سردی آتی تو حضرت عبید بن عمیرؓ فرمایا کرتے:......

"اے اہلِ قرآن! تمہاری نمازوں کے لیے رات لمبی ہوگئی اور تمہارے روزوں کے لیے دن چھوٹے ہو گئے پس تم (موسم سرما کو) غنیمت جانو!" (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سردی کا موسم مومن کے لئے موسم بہار ہے، اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں، جن میں وہ روزے رکھ لیتا ہے اور اس کی راتیں لمبی ہوتی ہیں، جن میں وہ قیام کرلیتا ہے۔" یعنی نوافل ادا کرتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سردیوں کے روزے رکھنا مفت میں اجر کمانا ہے۔" (طبرانی)

ہمارے بزرگانِ دین موسم سرما کی آمد پر خوش ہوتے اور اِسے عبادت میں اِضافے کا موسم قرار دیتے، جیسا کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موسمِ سرما کی آمد پر فرماتے:

"سردی کو خوش آمدید، اِس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں کہ شب بیداری کرنے والے کے لئے اِس کی راتیں لمبی اور روزے دار کے لئے دن چھوٹا ہوتا ہے۔" (فردوس الاخبار)

حضرت ابو عبداللہ محمد بن مفلحؒ فرماتے ہیں کہ سردی کے موسم میں رات کے اوّل حصّے اور گرمیوں میں دن کے اِبتدائی حصّے میں ختمِ قرآن مسنون ہے۔" (الآداب الشریعۃ)

سردیوں میں دن چھوٹے اور موسم ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے بھوک اور پیاس کا اِحساس کم ہوتا ہے، لہٰذا اِس موسم میں روزے کا ثواب کمانا آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے سردیوں کی راتوں میں عبادت کو محبوب جانتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

"سردی کا موسم عبادت گزاروں کے لئے غنیمت ہے۔" (موسوعۃ لابن ابی الدنیا)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:......

"جو شخص سخت سردی میں پانی کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے اس کو ثواب کا دہرا حصّہ ملتا ہے (ایک حصہ وضو کرنے کا، دوسرا سردی برداشت کرنے کا)۔ (طبرانی)

سردی میں چونکہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا کافی مشکل لگتا ہے۔ اس لیے سردیوں میں شوق سے وضو کریں اور دہرا اجر پائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تم زمین والوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔" (ابوداؤد)

سردی کے موسم میں رات کے وقت ہر کوئی چاہتا ہے کہ گرم لحاف میں لپٹا ہوا ہو، بہترین گرم سوئیٹر اس کے پاس ہوں، لیکن اس دنیا میں ایسے کتنے لوگ ہیں کہ جن کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت نہیں، آرام کرنے نرم و گرم بستر نہیں، سردی کی سخت راتوں میں ضرورت مند و مجبور سڑکوں کے کنارے، فٹ پاتھ پر اور بس اڈوں پڑے ہوتے ہیں، جن کے پاس نہ گرم کپڑے ہیں اور نہ ہی گرم سے بستر۔

ایسے میں جن کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سردی کی سخت راتوں میں ان ضرورت مندوں کا بھی خیال رکھیں، ان کی سردی کو بھی دور کرنے کی کچھ کوشش کریں، اگر کچھ نیا نہیں دے سکتے تو کم از کم پرانا غیر استعمال ہی صحیح ان کو پہنا دیں تا کہ وہ بھی سردی کی سختیوں سے بچ سکیں۔ سردی کا موسم انسانی ہمدردی کے جذبہ کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔

سردیوں میں عبادات کی اہمیت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے دن اور لمبی لمبی راتیں ہیں۔ دن کو روزہ رکھیں، نہ ہی بھوک اور نہ ہی پیاس ستاتی ہے۔ ان دنوں میں رمضان کے قضا روزے بھی آسانی سے رکھے جا سکتے ہیں۔ راتوں کو تلاوت، ذکر، درود شریف، نوافل، قضا نمازیں اور معتبر دینی کتب کا مطالعہ وغیرہ جیسی عبادات میں خرچ کریں۔

اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❀❀❀

محمد ابوبکر



سہولتیں پیارے اسلام کی!

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یا دو بار ہی نہیں بلکہ متعدد بار یہ کہتے ہوئے سنا: جب بندہ کوئی نیک عمل (پابندی سے) کر رہا ہو، پھر کوئی مرض، یا سفر اسے مشغول کر دے جس کی وجہ سے اسے وہ نہ کر سکے، تو بھی اس کے لیے اتنا ہی ثواب لکھا جاتا ہے جتنا کہ اس کے تندرست اور مقیم ہونے کی صورت میں عمل کرنے پر اس کے لیے لکھا جاتا تھا۔



مسواک ایک عظیم نعمت

مولانا طارق نعمان

مسواک میرے پیارے نبی ﷺ کی ایک ایسی سنت ہے جو آپ ﷺ نے آخری وقت بھی نہ چھوڑی۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آپ ﷺ کو مسواک چبا کر دیا کرتی تھیں اور آپ ﷺ اسے استعمال کیا کرتے تھے۔

مسواک کرنا متفقہ طور پر تمام علما کرام کے نزدیک سنت ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خاص طور پر وضو کے لیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وضو و نماز کے وقت مسواک کرنا مسنون ہے، نیز نماز فجر اور نماز ظہر سے پہلے بھی مسواک کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

مسواک کرنے میں بڑی خیر و برکت اور بہت فضیلت ہے چنانچہ علما لکھتے ہیں کہ مسواک کرنے کی فضیلت میں چالیس احادیث وارد ہوئی ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ مسواک کرنا ثواب کا باعث ہے بلکہ اس سے جسمانی طور پر بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں جو کہ ذیل میں ذکر کیے جارہے ہیں۔

ویسے تو ہر حال میں مسواک کرنا مستحب اور بہتر ہے مگر بعض حالتوں میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے مثلاً وضو کرنے کے وقت، قرآن شریف پڑھنے کے لیے، دانتوں پر زردی اور میل چڑھ جانے کے وقت اور سونے، چپ رہنے، بھوک لگنے یا بدبودار چیز کھانے کے سبب منہ کا مزہ بگڑ جانے کی حالت میں مسواک زیادہ مستحب اور اولیٰ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ کسی مجلس و مجمع میں اس طرح مسواک کرنا کہ منہ سے رال ٹپکتی ہو مکروہ ہے خصوصاً علماء اور بزرگوں کے قریب اس طرح مسواک کرنا مناسب نہیں ہے۔

دس چیزیں سنت ہیں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دس چیزیں سنت ہیں۔ موچھیں کتروانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخنوں کا کاٹنا، جوڑ دھونا، بغل کے بال اکھیڑنا، زیر ناف بال صاف کرنا، پانی سے استنجا کرنا۔

مصعب راوی بیان کرتے ہیں کہ دسویں چیز میں بھول گیا شاید وہ کلی کرنا ہو۔

(صحیح مسلم: جلد اول، وضو کا بیان)

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ نماز جس کے لیے مسواک کی گئی (یعنی وضو کے وقت) اس نماز پر جس کے لیے مسواک نہیں کی گئی ستر درجے کی فضیلت رکھتی ہے۔" (احمد)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کو دیکھا کہ مسواک آپ ﷺ کے دست مبارک میں ہے اور منہ میں (اس طرح) مسواک فرمارہے ہیں کہ اع اع کی آواز نکلتی ہے، جیسے (کوئی) قے کرتا ہے۔ (بخاری)

قیلولہ اور مسواک

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ رات کو (سوکر تہجد کے لیے) اُٹھتے تو (سب سے پہلے) اپنے منہ کو مسواک سے صاف کرتے تھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب رات اور دن میں سو کر اُٹھتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔ (ابی داؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دن میں بھی قیلولہ کے وقت آرام فرماتے تھے، چنانچہ دن میں تھوڑا بہت سو لینا اور قیلولہ کے وقت آرام کرنا سنت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے رات میں اللہ کی عبادت کے لیے اُٹھنے میں آسانی ہوتی ہے جیسے کہ سحری کھا لینے سے روزہ آسان ہو جاتا ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سو کر اُٹھنے کے بعد مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ سونے کی وجہ سے منہ میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور بو میں فرق آجاتا ہے اس لیے مسواک کرنے سے منہ صاف ہو جاتا ہے۔

امت کے لیے شاق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت کیلئے شاق نہ جانتا، تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سنا ہے میں سونے سے پہلے بھی مسواک کرتا ہوں سو کر اُٹھنے

کے بعد بھی کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی مسواک کرتا ہوں ۔(مسند احمد)

حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسواک کیا کرو اس لیے کہ مسواک منہ کو صاف کرنے والی اور پروردگار کو راضی کرنے والی ہے ۔جب بھی میرے پاس جبرائیل آئے مجھے مسواک کا کہا حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ مسواک مجھ پر اور میری امت پر فرض ہو جائے گی اور اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں مسواک کو اپنی امت پر فرض کر دیتا اور میں اتنا مسواک کرتا ہوں کہ مجھے خطرہ ہونے لگتا ہے کہیں میرے مسوڑھے چھل نہ جائیں ۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے میں اس دفعہ بڑی تاخیر کر دی؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ تاخیر کیوں نہ کریں جبکہ میرے ارد گرد تم لوگ مسواک نہیں کرتے، اپنے ناخن نہیں کاٹتے، اپنی مونچھیں نہیں تراشتے، اور اپنی انگلیوں کی جڑوں کو صاف نہیں کرتے ۔(مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر مجھ کو مومنین کے دشواری میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں نماز عشا میں تاخیر کرنے اور ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا ۔(سنن ابوداؤد)

احادیث بالا مسواک کے فضائل میں ذکر کی گئی ہیں اب مسواک کے احکامات وطریقہ پہ نظر ڈالتے ہیں

مسواک کیسی ہو؟

وضو کرتے وقت مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور مسواک بانس انار اور ریحان کے علاوہ کسی اور درخت کی ہونی چاہیئے؛ خصوصا کڑوے درخت کی، زیادہ اولیٰ پیلو کے درخت کی ہے پھر زیتون کے درخت کی ہے الغرض مسواک درخت کی ہونا ضروری ہے اگر کسی وقت کسی درخت کی مسواک میسر نہ ہو تو انگلی سے دانت صاف کر کے منہ کی بدبو زائل کر دے ۔اس طرح بھی سنت ادا ہو جاتی ہے ۔

بہر حال اصل سنت درخت کی مسواک ہے، وہ میسر نہ ہو یا دانت نہ ہوں یا دانت یا مسوڑے کی خرابی کی وجہ سے مسواک سے تکلیف ہوتی ہو تو ضرور ہاتھ کی انگلیوں یا موٹے کھردرے کپڑے یا منجن، ٹوتھ پیسٹ یا برش سے مسواک کا کام لیا جا سکتا ہے مگر مسواک کے ہوتے ہوئے مذکورہ چیزیں مسواک کی سنت ادا کرنے کے لئے کافی نہیں اور مسواک کی سنت کا پورا اجر حاصل نہ ہوگا اگر چہ صفائی تو ہو جائیگی ۔

بقیہ صفحہ نمبر 71



شکوہ شکایت

عطیہ عروج

احمد صبح سے ہی تیار ہو کے بیٹھا تھا کیونکہ آج وہ دن تھا جس کا وہ پچھلے کئی مہینوں سے انتظار کر رہا تھا۔ایک ایک دن گن گن کر آج وہ دن آیا تھا آج وہ بہت خوش تھا۔

احمد کے چچا ارسلان پہلے ان کے ساتھ رہتے تھے ۔پھر انہیں جب دوسرے شہر میں ملازمت ملی تو وہ اپنی فیملی کے ساتھ چلے گئے اور وہیں مقیم ہو کر رہ گئے۔

احمد کے چچازاد انس سے اس کی بہت اچھی دوستی تھی۔اس نے فون پر انس کو بھی اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔انس بھی احمد کے آنے کی سن کر بہت خوش تھا۔

''امی! ابھی تک ابو نہیں آئے؟'' اب احمد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

''بیٹا! آنے والے ہونگے'' احمد کی امی نے تسلی دی۔

اتنے میں ابو گھر میں داخل ہوئے۔

''ابو! کتنی دیر لگا دی آپ نے؟'' آتے ہی احمد نے شکوہ کیا۔

''بیٹا! بس کچھ کام زیادہ ہو گیا تھا۔'' احمد کے ابو نے جواب دیا۔

پھر جلدی سے تیار ہو کر وہ اور احمد بس سٹاپ پہنچے بس اسٹیشن پر بہت زیادہ رش تھا احمد کے ابو پہلے سے ہی ٹکٹ لے چکے تھے۔

احمد اور اس کے ابو انتظار گاہ میں بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔

اچانک احمد کے ابو کے فون پر کال آنے لگی اس کے ابو احمد کو وہی بیٹھا کر ''میں آتا ہوں'' کہتے ہوئے کال سننے باہر چلے گئے۔

احمد کے ابو جب واپس آئے تو کافی دیر ہو چکی تھی۔

''ابو! کتنا ٹائم لگا دیا آپ نے؟''

جب انہوں نے جا کر پتہ کیا تو ان کی گاڑی نکل چکی تھی اور وہ لوگ رہ گئے تھے۔

یہ سن کر تو احمد کو بہت رونا آرہا تھا۔

جب ابو نے پوچھا تو پتہ چلا کہ اب اور کوئی بھی گاڑی نہیں جائیں گی کل جائیگی۔

احمد کے ابو احمد سے کہنے لگے کہ بیٹا! اس میں بھی ہمارے لیے کوئی بھلائی ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر کام میں کوئی مصلحت چھپی ہوتی ہے، چلو گھر چلتے ہیں واپس پھر انشاء اللہ کل جائیں گے۔

احمد کا تو منہ ہی لٹک گیا کہ اب اس میں کیا بھلائی ہوگی، انس میرا انتظار کر رہا ہوگا۔

وہ دل ہی دل میں سوچتا گھر کی طرف آ گئے۔

جونہی وہ اپنی گھر کی گلی میں داخل ہوئے تو ان کے گھر کے سامنے لوگوں کا ہجوم تھا۔

احمد اور اس کے ابو گھبرا کر بھاگے۔

جونہی وہ گھر کے دروازے پر پہنچے تو پتہ چلا کہ احمد کی چھوٹی بہن گھر میں کھیل رہی تھی کہ اسے چوٹ لگ گئی۔ احمد کے پڑوسی گھر پر اس وقت موجود تھے تو وہ فوراً اسے قریبی ہسپتال لے گئے ہیں۔ احمد کے ابو بھی فوراً وہاں پہنچے۔

ڈاکٹر نے بتایا کافی خون بہہ چکا ہے۔ جلدی سے خون کا بندوست کریں۔ خوش قسمتی سے احمد کے ابو کا بلڈ گروپ میچ کر گیا۔ ڈاکٹر ز نے جلدی سے خون لگا لیا۔ اس طرح اس کی جان بچ گئی۔ احمد کے ابو نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ وقت پر پہنچ گئے ان کی بیٹی کی جان بچ گئی۔

وہ لوگ جب گھر پہنچے تو احمد کے چچا ارسلان کی کال آ گئی انھوں نے بتایا کہ انہیں جس گاڑی سے جانا تھا، اس گاڑی کا راستے میں بری طرح سے ایکسیڈینٹ ہوا ہے۔

احمد کے ابو نے احمد کو بتایا کہ دیکھو بیٹا! میں کہتا تھا ناں کہ اللہ سب بہتر کرتا ہے۔ ہر کام میں ہمارے اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی جسے ہم سمجھ نہیں سکتے اور جلد بازی میں غصہ ہونے لگتے ہیں مگر پھر بعد میں ہم سمجھ جاتے ہیں کہ اس کام میں ہمارا کیا نقصان تھا۔

بیٹا! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ماں باپ سے بھی کہیں زیادہ مہربان ہے اور ہمارے ساتھ جو بھی معاملات ہوتے ہیں وہ اللہ کی مرضی سے ہوتے ہیں، اس لیے انسان کو اللہ کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ اللہ جو بھی کرتا ہے ہمارے بھلے کے لیے ہی کرتا ہے۔

دیکھو آج ہماری بس نکل گئی اور ہم گھر آ گئے۔ آپ کی بہن کی جان بچ گئی۔ ہم چلے جاتے تو پیچھے کیا ہوتا۔ دوسرا دیکھو! اس گاڑی کا ایکسڈینٹ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچا لیا۔

احمد کو اب ابو کی بات اچھے سے سمجھ آ چکی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں خود سے عہد کی کہ اب وہ کسی بھی کام کے نہ ہونے یا کسی بھی چیز کے چھن جانے پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایات کرنے کی بجائے اس کی رضا میں راضی ہو جائے گا۔

❀❀❀

ضرب المثل پہ مبنی سو لفظی کہانی

محمد مستقیم



بے کار سے بیگار بھلی

13

چاچا خیرو نے فون سنا تو ان کے چہرے پر
اداس مسکان پھیل گئی۔ وہ بولے:
''دوستو! آج ٹرالی نہیں آرہی۔ ہم اپنا گنا کل لوڈ کریں گے لیکن؟''
''لیکن کیا؟'' ایک نوجوان بولا۔
''لیکن یہ کہ ہم بے کار نہیں بیٹھیں گے، چلو ہمسائے کا گنا لوڈ کرواتے ہیں۔''
''چاچا جی بیگار؟'' (اسے سرائیکی زبان میں ونگار بھی کہتے ہیں، اس کا مطلب ہے کسی کا کام مفت میں رضا کارانہ طور پر کرنا)
لڑکوں نے شکایت کی۔
''ہاں بھئی، تم نے ضرب المثل نہیں سنی،
بے کار سے بیگار بھلی
یعنی بے کار رہنے سے بہتر ہے بیگار والا کام کرلیا جائے، مطلب بے کار رہنا بہت بری بات ہے، چلو چلتے ہیں۔''
یہ سن کر سب چل دیئے۔

محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے غازی عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تک





قسط 7

"حضور والا!......صاحبان جیوری!

ہر شخص جانتا ہے کہ فطرت انسانی دوسرے کی بدزبانی برداشت نہیں کرسکتی۔ اس سے نفسیاتی طور پر جواب اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان اپنی استطاعت کے مطابق زبان، قلم یا ڈنڈے سے کام لے کر اپنی انا کی تسکین کرتا ہے۔

اگر گزشتہ واقعات کے فوراً بعد اس قسم کی حرکتوں کے انسداد کے لئے قانون کوئی مؤثر کاروائی کرتا تو نتھو رام کی واردات قتل ہرگز ہونے نہ پاتی۔

مسلمان ایک عرصے سے ہندو اکثریت اور برطانوی حکومت کو سمجھا رہا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اس کے جذبات وحیات اور حیات کی شہ رگ ہیں۔ حضور ﷺ کے معاملے میں وہ اتنا ذکی الحس واقع ہوا ہے کہ معمولی سی گستاخی پر بھی اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ دوسرے کی جان تو ایک طرف وہ خود اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ لیکن نہ ہندو اکثریت نے اس طرف دھیان دیا، نہ برطانوی حکومت کے کانوں پر جوں رینگی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ ماہر نفسیات ہونے کی حیثیت سے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس مسئلہ کی طرف توجہ نہ دی گئی تو ایسے ہولناک واقعات آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ انہیں نہ ہندو اکثریت روک سکے گی اور نہ تعزیراتِ ہند کی کوئی دفعہ۔" اس مرحلے پر پنچ نے مداخلت کی۔ ہاتھ کے اشارے سے مجھے روکا اور پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

"کیا فاضل جورسٹ اپنی بحث سے فرقہ وارانہ منافرت کو نہیں ابھار رہے ہیں؟"

"حضور والا!..." میں نے جج کو مخاطب

کرتے ہوئے جواب دیا:

’’منافرت کا مخرج اور سرچشمہ جہاں ہے دراصل وہیں سے نفرت کے جذبات ابھر رہے ہیں۔ میں تو مقتول تھورام کی کتاب تاریخ اسلام کے ابھارے ہوئے جذبۂ منافرت کے عوامل ونتائج پر تقریر کر رہا تھا۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اس ضمن میں مسلمان کے اعصاب، توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے وہ نہ تعزیراتِ ہند سے گھبرائے گا، نہ پھانسی کے پھندے سے ڈرے گا۔ حتی کہ چین سے مراکش تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کا بچہ بچہ اس فتنے کا سر کچلنے کے لئے میدان میں آجائے گا۔

میں چاہتا ہوں کہ ایسی صورت سے دو چار ہونے والے مسلمان کا سوچ سمجھ کر اٹھایا ہوا قدم بھی فوری اشتعال کی تعریف میں آنا چاہئے۔ اس مرحلے پر میں نے قرآن مجید کو ذرا بلند کرتے ہوئے کہا:

حضور والا! جو کچھ میں نے کیا ہے اس قانون کی رو سے اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے جس کے ساتھ چودہ سو برس سے میں نے پیمان وفا باندھ رکھا ہے اور جن خطوط پر پشت ہا پشت سے میرا تربیتی ماحول تشکیل ہوتا چلا آرہا ہے۔ میں نے اپنی دانست میں قانون کو نہیں انصاف کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ میرے اس اقدام میں شدید اور فوری غیظ وغضب کی عمل فرمائی تو ضرور ہے، مگر قاتل کے سے جذبے کا کوئی شائبہ دور دور تک نہیں ہے۔

پھر سب سے زیادہ معصوم جذبہ اس عہد کی پاسداری ہے، جس پر میرے ایمان کی بنیاد ہے اور یہی چیز مجھے بے قصور اور سزا سے بری قرار دیتی ہے۔‘‘

جج میری تقریر پر بہت جزبز ہوا۔ شاید منطقی بحث اس کے مزاج کے لئے قابل قبول نہیں تھی، مگر میرے پاس بھی اپنے دفاع کو مستحکم کرنے کے لئے کوئی اور دلیل نہیں تھی۔

اس نے عہد کی پاسداری کے الفاظ دہرائے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا:

’’تم اپنے فہم تدبر اور سطح سے نیچی بات کر رہے ہو۔ تمہارے جیسے فاضل مققنن سے اس کی توقع نہ تھی۔‘‘

مجھے وکیل کی جبلت کے برعکس تاؤ آگیا۔ پینترا بدلا اور کہا:

’’حضور والا! یوں سمجھ لیتے کہ کچھ اس قسم کے عہد کی پاسداری نہ کرنے پر چار اگست ۱۹۱۴ء کو ہمارے شہنشاہ جارج پنجم نے ایک چھوٹے سے ملک کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ عظیم برطانیہ کو اس جنگ میں سب سے بڑے رکن کی صورت میں شامل ہونا پڑا۔

ایک چھوٹے سے عہد کی خلاف ورزی کے نتیجے میں وہ خون ریزی ہوئی کہ لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ لاکھوں عورتوں کے سہاگ لٹ گئے اور

دنیا کا جغرافیہ کچھ کا کچھ ہو گیا۔ میں نے جس عہد کا ذکر کیا، اس میں آج پچاس کروڑ مسلمان جکڑے ہوئے ہیں جو کسی قانونی دفعہ، پھانسی کے پھندے یا تلوار کے گھاؤ سے ڈر کے اس عہد سے روگردانی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا جہاں تک ناموسِ محمد ﷺ کا سوال ہے مسلمان کا رونگٹا رونگٹا عبدالقیوم ہے۔ پس میری عرض ہے کہ ایک ایسے معصوم انسان کو جو پانی اور تربیتی طور پر بلائینڈ فیتھ کی رسی میں جکڑا ہوا ہے، جو ایک ان پڑھ دیہاتی نوجوان ہے اور اپنی افتاد طبع کے مطابق فوری اشتعال کے تحت اس فعل کا مرتکب ہوا ہے، جس کو آج بھی وہ اپنا فرض عین سمجھ رہا ہے، اسے کسی سزا کا مستوجب نہیں ہونا چاہئے اور اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر گیا ہے، تو اسے تھوڑی بہت قید با مشقت سے زیادہ کوئی سزا نہیں دی جانی چاہئے۔

آپ کی عدالت جنسی رقابت کے معاملے میں رقیب کو دن دہاڑے قتل کرنے والے اقبالی مجرم کو بری کر سکتی ہے اور اراضی کے قبضے اور بے دخلی کے سلسلے میں مالک کو ہلاک کرنے والے مزارع کے لئے صرف چار چھ سال کی سزا کافی سمجھتی ہے تو عبدالقیوم کے معاملے میں کیوں نرمی سے کام نہیں لے سکتی؟"

عدالت نے بحث سننے کے بعد اسی دن فیصلے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ مقررہ تاریخ پر دفتری اوقات شروع ہونے سے پہلے ہی ہندو اور مسلمانوں کے ہجوم عدالت کے باہر جمع ہو گئے۔ کراچی کے علاوہ حیدر آباد، ٹھٹھہ، نواب شاہ، بہاولپور اور پنجاب تک سے لوگ کشاں کشاں آئے تھے۔ نظم و نسق کے لئے پولیس کی بھاری تعداد موجود تھی۔ مشہور ہندو لیڈر، وکیل اور صحافی آئے ہوئے تھے۔ مسلم اکابرین میں سے بھی متعدد اصحاب تشریف لائے تھے۔ ہندو مسلمان سب امید و بیم میں تھے۔

البتہ جن مسلم اصحاب کو خفیہ ذرائع سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جیوری کی اکثریت سزائے موت کی بجائے حبس دوام کے حق میں ہے، وہ اس کو غنیمت جان کر قدرے مطمئن تھے۔ میں وکیلوں کی صف میں ایک کرسی پر بیٹھا، یہ سب نقشہ دیکھ رہا تھا۔ اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری تھی۔

اچانک ڈائس پر جج نمودار ہوا.... میرا دل .... دھک دھک..... کرنے لگا۔ میں نے قبل ازیں قتل کے کئی مقدمات کی پیروی کی تھی، جن میں سے بعض کو پھانسی ہوئی بعض رہا ہوئے مگر دل کی یہ کیفیت پہلے کبھی نہ تھی۔

تقریباً دو منٹ موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ پھر جج کے اشارے پر پیش کار نے چپڑاسی سے کہا کہ ملزم حاضر کیا جائے۔

غازی بیڑیاں پہنے سر اٹھائے سنگین بردار محافظوں کے حلقے میں عدالت کے کٹہرے میں

آ کھڑا ہوا۔ پھر ایک مہیب سناٹا چھا گیا۔ جج نے ایک فائل الٹ پلٹ کر دیکھی اور ریڈر سے کچھ سرگوشی کی۔ اس نے ایک کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔

جج نے وہی کاغذ اٹھایا اور دھیمی آواز میں پڑھ کر سنایا:

''عبدالقیوم خان! تمہیں موت کی سزا دی جاتی ہے۔''

غازی عبدالقیوم کے منہ سے ذرا تھرتھرائی ہوئی آواز میں بے ساختہ نکلا:

''الحمدللہ'' پھر وہ کچھ سنبھلا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا، جیسے اس کا قد ایک فٹ اونچا ہو گیا ہو۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی جس میں بے پایاں مسرت ملی ہوئی تھی۔ اس کے لب ہلے ... حاضرین نے سنا..... وہ کہہ رہا تھا:

''جج صاحب! میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس سزا کا مستحق سمجھا ایک جان کیا چیز ہے؟ اگر میرے پاس لاکھ جانیں ہوتیں..... تو وہ بھی ایک ایک کر کے ... اسی طرح نبی کریم ﷺ کے نام پر... قربان کر دیتا۔''

''اللہ اکبر......'' یہ نعرۂ مستانہ اس زور سے گونجا کہ اس کی گونج کمرہ عدالت، گیلری، برآمدے اور باہر والوں نے بھی سنی۔

وہ سمجھے کہ عبدالقیوم بری ہو گیا۔ آگے کا المیہ بڑا ہی دردناک اور سنگین ہے۔

عبدالقیوم تو حکم سن کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے جیل چلا گیا اور مجھے حکومت نے پروفیشنل مس کنڈکٹ کا نوٹس دے دیا جس میں حدود قانون سے متجاوز ہو کر بحث کرنے کا الزام تھا۔

میں نے دوسری عدالت میں اس الزام کو غلط اور بے بنیاد ثابت کر کے پہلی عدالت کی جہالت پر مہر ثبت کی۔

چند روز بعد میں نے اپنے تین رفیقوں حاجی عبدالخالق صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولانا عبدالعزیز پر مشتمل وفد اپنے استاذ علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجا کہ سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے کے لئے وائسرائے تک سفارش پہنچائیں۔ یہ وفد لاہور پہنچا اور میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مقدمے کی روئیداد تفصیل کے ساتھ سنائی۔

اس کے بعد عرض کی کہ آپ وائسرائے سے ملاقات کریں اور اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لائیں اور انہیں اس پر آمادہ کریں کہ غازی عبدالقیوم کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل دی جائے۔ وفد نے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ نے سعی وتوجہ فرمائی تو پوری توقع ہے کہ غازی عبدالقیوم کی جانب سے رحم کی اپیل حکومتِ ہند ضرور منظور کر لے گی۔

(جاری ہے)

❁❁❁❁



مسواک کے سلسلہ میں بہتر ہے کہ نرم ہو، لکڑی میں جوڑ نہ ہو، انگلی کے بقدر موٹی ہو، ایک بالشت لمبی ہو، پیلو کی ہو، یا کسی کڑوی لکڑی کی ہو۔

مسواک کرنے کا طریقہ

مسواک کا طریقہ یہ ہے کہ دانت کے اوپری حصہ پر بھی کیا جائے اور نچلے حصہ پر اور ڈاڑھوں پر بھی، دائیں جانب سے مسواک کی ابتدا کرے۔ کم سے کم تین بار اوپر تین بار نیچے پانی کے ساتھ مسواک پھیرنی چاہیے، مسواک چوڑائی میں یعنی دائیں حصہ سے بائیں حصہ کی طرف کرنی چاہیے، طول میں مسواک کرنا بہتر نہیں کہ اس سے مسوڑھے زخمی ہوسکتے ہیں۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو مسواک کے نیچے حصہ میں اور انگوٹھے کو اگلے حصہ میں مسواک کے نیچے اور باقی تینوں انگلیوں کو مسواک کے اوپر رکھ کر مسواک کی جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی طریقہ مروی ہے، لیٹی ہوئی حالت میں مسواک کرنا مکروہ ہے اسی طرح اگر قئی کا اندیشہ ہو تو مسواک نہیں کرنی چاہیے۔ (البحر الرائق)

مسواک کا سب سے بڑا فائدہ

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسواک میں ستر فوائد ہیں۔ ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی برکت سے موت کے وقت کلمہ یاد آجاتا ہے۔ اس کے برعکس افیون میں ستر نقصانات ہیں،۔ان میں سے کم تر نقصان یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ (مرقاۃ المفاتیح)

مسواک کے اخروی فوائد

رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔
فرشتے اس سے خوش ہوتے ہیں۔
اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔
نماز کے ثواب کو بڑھاتی ہے۔
شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔
قبر میں مونس ہے۔
اس کی برکت سے قبر وسیع ہو جاتی ہے۔
موت کے وقت کلمہ یاد دلاتی ہے۔
جسم سے روح سہولت سے نکلتی ہے۔
فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔
قلب کی پاکیزگی ہوتی ہے۔
مسواک کرنے والے کے لیے حاملین عرش استغفار کرتے ہیں۔
مسواک کرنے والے کے لیے انبیا علیہم السلام بھی استغفار کرتے ہیں۔
مسواک کے ساتھ وضو کر کے نماز کو جائیں

فرشتے پیچھے چلتے ہیں۔

مسواک کا اہتمام کرنے والا پل صراط سے بجلی کی طرح گزرے گا۔

اطاعت خداوندی پر ہمت اور قوت نصیب ہوتی ہے۔

نزع میں جلدی ہوتی ہے۔

جنت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں۔

دوزخ کے دروازے اس پر بند کردیے جاتے ہیں۔

ملک الموت اس کی روح نکالنے کے لیے اسی صورت میں آتے ہیں جس طرح اولیا اللہ اور انبیا علیہم السلام کے پاس آتے ہیں۔

دنیا سے رخصت ہوتے وقت نبی کریم ﷺ کے حوض کوثر پینے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

مسواک کے دنیوی فوائد

موںہہ کی پاکیزگی۔

موت کے علاوہ ہر مرض کی شفا۔

نگاہ کی روشنی بڑھاتی ہے۔

مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے۔

بلغم کو دور کرتی ہے۔

جسم کو تندرست رکھتی ہے۔

حافظہ کو قوی کرتی ہے۔

بال اگاتی ہے۔

جسم کا رنگ نکھارتی ہے۔

اس پر مداومت سے غربت دور ہوتی ہے۔

زبان کی فصاحت و دانش بڑھتی ہے۔

کھانا ہضم کرتی ہے۔

منی کی افزائش ہوتی ہے۔

بڑھاپا جلد آنے نہیں دیتی۔

کمر کو قوی کرتی ہے۔

عقل کو تیز کرتی ہے۔

چہرہ کو بارونق بناتی ہے۔

دردسر کو دور کرتی ہے۔

فاضل رطوبات کا ازالہ و اخراج کردیتی ہے۔

داڑھ کے درد کو دفع کرتی ہے۔

دانتوں کو چمک دار بناتی ہے۔

اس کی برکت سے حصول رضا میں آسانی ہوتی ہے۔

کثرت اولاد کا باعث ہے۔

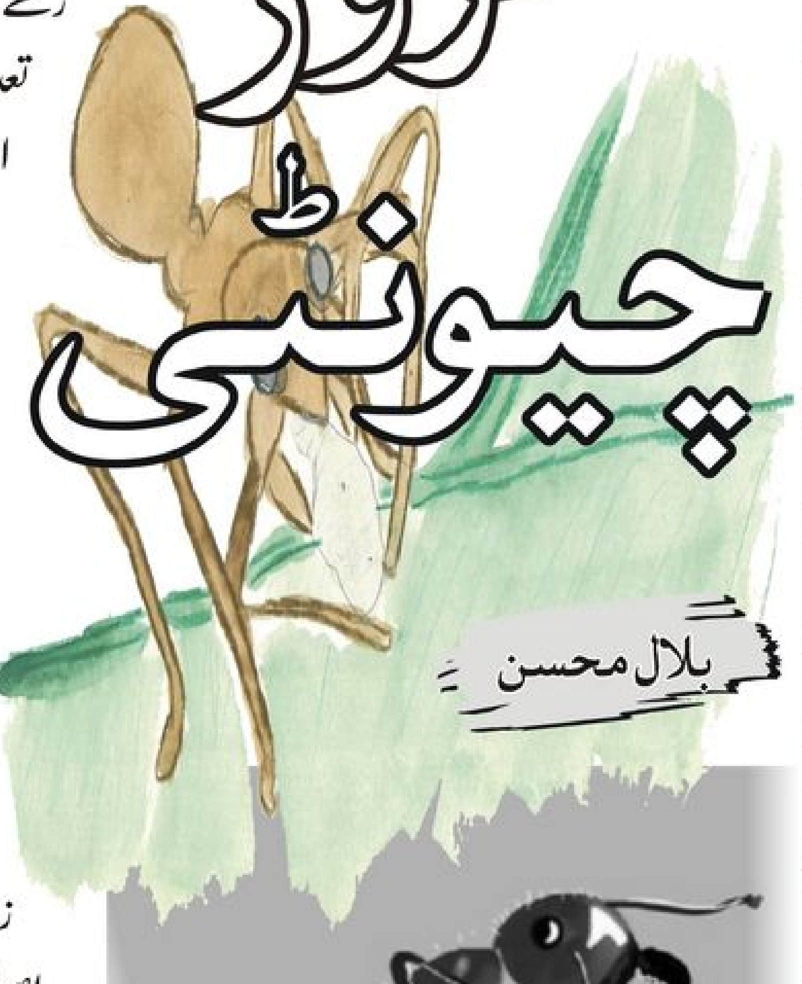
قضائے حوائج میں سہولت اور مدد دیتی ہے۔(بحوالہ انوارالباری)

اللہ تعالیٰ! تمام مسلمانوں کو دیگر سنتوں کے ساتھ مسواک کی سنت کو بھی زندہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہمیشہ رضائے الٰہی نصیب فرمائے۔(آمین یارب العالمین بحرمۃ سیدالانبیاء والمرسلین ﷺ)



مغرور چیونٹی

بلال محسن





پرانے وقتوں کی بات ہے کہ کوہستان کے ایک گھنے جنگل میں درختوں کے جھنڈ کے درمیان ایک چھوٹا سا مٹی سے بنا مکان موجود تھا۔

یہ مکان کئی عرصہ سے ویران پڑا تھا۔ اس کا کوئی مالک نہ تھا۔ اس ویران گھر میں چیونٹیوں اور دیگر حشرات نے اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے۔ اس میں چیونٹیوں کے کافی تعداد میں جھنڈ رہائش پذیر تھے۔

ان میں سے ایک سمجھدار جھنڈ نے دوسرے حشرات سے بچنے کے لیے فرش سے دور ایک اونچی دیوار میں اپنا گھر بنا رکھا تھا۔

اُن کی ایک رانی چیونٹی تھی جس کے حکم کے مطابق سارا جُھنڈ کام کرتا۔

رانی چیونٹی سمجھدار اور سبھی سے ہمدردی رکھتی تھی۔

اس نے اپنی رعایا چیونٹیوں کی زندگی کی بہتری کے لیے بہترین اصول بنا رکھے تھے۔

خوراک کا انتظام کرنا، جگہ کی حفاظت، باہر آنے جانے کے طور طریقوں اور دیگر امور پہ عمل کروانے میں پھرتی دکھاتی۔

اسی چیونٹیوں کے جھنڈ میں ایک نہایت شاطر اور مغرور چیونٹی رہتی تھی جس کا نام "برگش چیونٹی" تھا۔ وہ اکثر کاموں میں چالاکی اور پھرتی دکھاتی اور دوسری چیونٹیوں اور رانی چیونٹی کو نیچا دکھا کر اپنا نام بنانے کی کوشش کرتی۔

وہ رانی چیونٹی سے بھی نفرت کرتی تھا۔ وہ ہر

وقت رانی چیونٹی بننے کا خواب دیکھتی رہتی۔

جب خزاں کا موسم آیا تو جنگل میں خوراک کی قلت ہوئی۔ رانی چیونٹی کے کہنے پہ سارا جُھنڈ جنگل کے جنوب کی جانب خوراک کی تلاش میں نکل پڑا۔ راستے انجان اور دشوار گزار تھے۔ انہوں نے کبھی ایسے راستوں سے سفر نہ کیا تھا لیکن رانی چیونٹی سمجھداری سے اُن کی رہنمائی کرتی رہی۔

چلتے چلتے راستے میں ایک سڑک آ گئی جس پہ گاڑیوں کی آمدورفت تھی۔ بڑی بڑی گاڑیوں کو تیز رفتاری سے گزرتا دیکھ کر سب خوفزدہ ہوئے۔

انہوں نے سڑک کنارے تھوڑی دیر انتظار کیا، جونہی وہاں سے گاڑیوں کی آمدورفت کم ہوئی اور وہاں پاس کسی گاڑی کو نہ دیکھ کر رانی چیونٹی نے سب کو ایک ساتھ تیزی اسے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور خود ان سب کے پیچھے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

برگش چیونٹی جُھنڈ سے تھوڑا پیچھے رانی چیونٹی کے قریب تھی اور یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ جُھنڈ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور اسی وقت ایک گاڑی اِسی جانب بڑھ رہی تھی۔

جُھنڈ آگے بڑھ چکا تھا جبکہ برگش چیونٹی اور رانی چیونٹی ابھی پیچھے سڑک پہ تھیں۔ برگش نے موقعہ دیکھتے ہی رانی چیونٹی کو ایک زوردار دھکا دیا اور خود تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ زوردار دھکے کی وجہ سے رانی چیونٹی دھڑام سے سڑک پہ گر گئی اس سے پہلے کہ وہ اُٹھتی گزرتی ہوئی گاڑی کے پہیوں نے اسے کچل کے رکھ دیا۔

سڑک پار کرنے کے بعد چیونٹیاں سڑک کے دوسرے کنارے رانی چیونٹی کو دیکھنے لگیں۔ پیچھے صرف ان کو برگش چیونٹی آتی دکھائی دی۔ انہوں نے برگش سے رانی چیونٹی کے بارے میں دریافت کیا۔ برگش چیونٹی نے رانی چیونٹی کی موت کی خبر سنائی اور اسے حادثاتی موت قرار دے دیا جبکہ خود کی غداری اور چالاکی کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا۔

سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، برگش سب کو تسلی دینے لگی جبکہ اس کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ انہوں نے سڑک کنارے رک کے تھوڑی دیر رانی چیونٹی کا افسوس کیا اور پھر برگش چیونٹی کے کہنے پہ اس کے پیچھے خوراک تلاش کرنے چل پڑیں۔

برگش چیونٹی اپنی چالاکی اور مہارت سے تھوڑی ہی دیر میں خوراک تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے سبھی کو خوراک والی جگہ بتائی۔ سبھی نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور بچا ہوا کھانا ساتھ لے کر برگش کی رہنمائی میں واپس اپنے گھر آ گئیں۔ سارے سفر میں برگش چیونٹی سبھی سے ہمدردی کا ڈھونگ رچاتی رہی تاکہ سب کے دل میں اپنی جگہ بنا سکے۔

ایک ہفتے تک یونہی چلتا رہا۔ جب اس نے

دیکھا کہ وہ سبھی کے دل میں اپنی جگہ بنا چکی ہے کوئی اب اس کا مخالف نہیں رہا۔

اگلے ہفتے اس نے سبھی چیونٹیاں کے سامنے رانی چیونٹی بننے کا اعلان کر دیا اور ساتھ میں بہتر مستقبل کے جھوٹی امیدوں کے سبز باغ دکھائے۔ برگش کے پچھلے ہفتے کے اخلاق اور بہتر کارکردگی کو دیکھتے ہوئے سبھی نے اُسے رانی چیونٹی مان لیا۔کسی کو بھی اُس کے شاطرانہ کھیل کا اندازہ نہ تھا۔

رانی چیونٹی بنتے ہی برگش کے تیور بدلے، منصوبے کے مطابق اُس نے پہلے دو دن نرمی سے کام لیا پھر سبھی سے بدسلوکی کرنے لگی۔ بات بات پر طعنے دیتی، سمجھانے کی بجائے برا بھلا کہتی۔ زیادہ کام کرواتی اور کھانے کو تھوڑا سا اناج دیتی۔ اس نے ساتھ ہی اپنے لیے نیا گھر تعمیر کروالیا اور اس میں اناج کا ذخیرہ کروانے لگی۔

برگش مختلف اقسام کے اناج کھانے کی دلدادہ تھی۔ اس لیے وہ چیونٹیوں کو گروہوں میں تقسیم کر کے مختلف اقسام کے اناج اکھٹا کرنے کو بھیجتی، اور خود گھر میں بیٹھ کر کھاتی رہتی۔

علیحدہ گھر اور اور اناج کے زخیرے کی وجہ سے کچھ چیونٹیاں اس سے غصہ ہوگئیں اور اس کی نافرمانی کرنے لگیں۔

برگش چیونٹی نے غصہ دکھاتے ہوئے دو دن کے لئے ان کا کھانا بند کر دیا۔ برگش کا یہ رویہ دیکھتے ہوئے باقی جُھنڈ کی چیونٹیاں بھی اس کے خلاف ہوگئیں۔ سب نے اتفاق کرتے ہوئے برگش کو رانی چیونٹی ماننے سے انکار کر دیا۔

وہ اپنے خلاف بولنے والی چیونٹیوں سے جھگڑنے لگی۔ جھگڑا مزید بڑھا اور جُھنڈ کی سبھی چیونٹیوں نے برگش کی خوب پٹائی کر کے اپنے گھر اور جُھنڈ سے نکال دیا۔

وہ زخمی حالت میں لڑکھڑاتی ہوئی اپنے نئے گھر تک پہنچی۔ کچھ دن اس نے گھر پہ رکھے اناج سے گزارا کیا، خود اپنے زخموں پہ مرہم لگایا۔ جب کچھ حالت سنبھلی تو گھر سے باہر قدم رکھا۔

باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا موسم سرما کے آنے کی اطلاع تھی۔ جب اس کی نظر سامنے چلنے والی چیونٹیوں پہ پڑی تو دیکھا کہ سبھی چیونٹیاں اناج اٹھائے گھر کی جانب رواں دواں ہیں۔ موسم سرما میں زیادہ ٹھنڈک کی وجہ گھر سے نکلنا محال ہوتا ہے۔ اسی لیے سبھی چیونٹیاں موسم سرما کے لیے اناج اکٹھا کر کے رکھ لیتی ہیں۔

برکش چیونٹی نے اپنے گھر میں دیکھا تو اس کو تھوڑا سا اناج دکھائی دیا۔ شام ہو رہی تھی اس لیے اس کا باہر جانے کا موڈ نہیں تھا۔ اس نے صبح سویرے اناج اکھٹا کرنے کا ارادہ کیا۔

صبح ہوئی وہ اناج اکٹھا کرنے چل پڑی۔ باقی چیونٹیاں بھی اناج اکٹھا کرنے جا رہی تھیں، وہ بھی انہی کے پیچھے چل دی۔

سبھی چیونٹیاں جنگل کے پاس لگے مکئی کے کھیت میں سے اناج اکٹھا کرنے لگیں۔ بر گش بھی دوسروں کو دیکھتے ہوئے مکئی کے ٹکڑے بنا کر گھر لے جانے لگی۔

سہ پہر تک وہ ان ٹکڑوں سے زیادہ اناج اکٹھا نہ کر سکی۔ اُس نے مکئی کے ثابت دانے لے جانے کا سوچا لیکن وہ اکیلی تھی اور مکئی کے دانے کا سائز بڑا اور وزنی تھا۔ اس نے ہمت کرتے ہوئے اٹھایا اور آگے بڑھنے لگی۔

اس کے زخم ابھی بھرے نہ تھے۔ وہ جوش سے آگے بڑھ رہی تھی۔ راستے میں باقی چیونٹیوں نے اسے پورا دانہ لے جانے سے منع کیا لیکن وہ دوسروں کی باتوں پہ دھیان دیے بغیر آگے بڑھتی رہی۔

زخموں والے جسم اور ایک لنگڑاتے پاؤں سے چلتے چلتے آخر کار وہ اس دیوار کے پاس جا پہنچی جس پہ اس کا گھر بنا تھا۔ وہ تھک چکی تھی اور شام کا اندھیرا پھیلنے والا تھا۔

اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے اس نے اناج کا دانہ گھر تک لے کے جانا تھا۔ اسے اپنی صحت کی نہیں صرف اناج کی فکر تھی۔

وہ اپنے یقین پہ اناج کا دانہ اٹھائے دیوار پہ چڑھنے لگی۔ اپنی پوری طاقت لگائے زخموں کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ آدھی دیوار پہ پہنچ چکی تھی۔

اسی لمحے اس کا زخمی پاؤں لڑکھڑایا اور وہ دھڑام سے نیچے آ گری۔

اس کا دھڑ شدید زخمی ہوا۔ اسی وقت اس کے ہاتھ سے چھوٹا ہوا مکئی کا ثابت وزنی دانہ اس کے سر پہ آ گرا اور اسی لمحے اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔

سامنے گھر والی چیونٹیاں اس کی یہ حالت اور ماضی کی برائیوں کو یاد کرتے ہوئے ایک نظر دیکھ کے آگے بڑھنے لگیں۔

اس کی لالچ اور خود پہ حد سے زیادہ بھروسا اس کی جان لے گیا۔

❁❁❁❁

پیارے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت کے کیا کہنے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ (بن زید) رضی اللہ عنہ کی ناک صاف کرنا چاہی تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''آپ چھوڑیے میں صاف کیے دیتی ہوں''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عائشہ! اس سے محبت کیا کرو کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔'' (سنن الترمذی)

(محمد عروہ بن زبیر)

علم کی معراج



محمد بن طلحہ السیف

اپنے اسلاف سے منقول علم کے حصول کی خاطر ایسے ایسے محیر العقول واقعات پڑھنے میں آتے ہیں جنہیں پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آج کے زمانے میں جب ہر سہولت موجود ہے مگر ہم علم کے حصول سے کس قدر کتراتے ہیں۔ چند واقعات پیش خدمت ہیں تاکہ ہم اپنا آپ سنوار سکیں۔

❁❁❁❁

تاج الدین السبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبری میں امام بخاریؒ کے احوال میں لکھا ہے۔

امام محمد بن حاتم الوراق بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں عسقلان آدم بن ابی ایاس کے پاس گیا۔ میرا سفرخرچ ختم ہو گیا تھا، یہاں تک کہ میں زمین کی گھاس پھونس کھانے لگ گیا تھا اور میں نے کسی کو اس کی خبر نہ کی۔

جب تیسرا دن ہو گیا تو ایک شخص آیا جس کو میں جانتا نہ تھا، اس نے مجھ کو دینار کا ایک تھیلا دیا اور کہا اس کو اپنے اوپر خرچ کر دو!

❁❁❁❁

حافظ ابن ابی حاتم الرازی اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" میں اپنے والد امام محمد بن ادریس الرازیؒ کو طلب علم میں جو سختیاں درپیش آئیں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ۲۱۴ھ میں بصرہ میں آٹھ مہینے رہا۔ میرے دل میں تھا کہ میں ایک سال رہوں گا لیکن میرا خرچ ختم ہو گیا تو میں آہستہ آہستہ اپنے بدن کے کپڑے فروخت کرنے لگ گیا۔ یہاں تک کہ فروخت کرنے کے لئے کپڑے بھی نہ رہے اور میں بغیر خرچ کے ہو گیا۔

میں اپنے ایک دوست کے ساتھ شیخ کے پاس جایا کرتا تھا۔ شام تک ان سے سماع کرتا۔ میرا دوست چلا جاتا اور میں بالکل خالی اپنے گھر واپس آ جاتا۔

سخت بھوک ہوتی لیکن میں صرف پانی پیتا

رہتا۔ جب صبح ہوتی تو میرا دوست پھر آجاتا۔ میں پھر اس کے ساتھ سماع حدیث کے لئے چلا جاتا سخت بھوک کی حالت میں، وہ پھر چلا جاتا اور میں بھوک ہی کی حالت میں واپس ہو جاتا۔

جب اگلی صبح ہوئی تو اس نے مجھ کو کہا کہ چلیں مشائخ کے پاس تو میں نے کہا کہ کمزوری کی وجہ سے اب مجھ میں اس کی سکت نہیں۔

اس نے مجھ کو کہا کہ تم کو ضعف کیوں ہے؟ میں نے اس کو کہا کہ میں تجھ سے بات چھپانا نہیں چاہتا۔ مجھ پر دو دن گذر گئے اور میں نے کوئی چیز نہیں چکھی۔ اس نے مجھ کو کہا کہ میرے پاس ایک دینار بچا ہوا ہے، میں نصف دینار تجھ کو دے سکتا ہوں اور دوسرا نصف ہم کرایہ کا دے دیں گے۔ ہم بصرہ سے نکلے اور میں نے اس سے ادھا دینار لے لیا۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ جب ہم داؤد جعفریؒ کے ہاں سے نکلے تو ہم چار مقام پر گئے اور ہم تین ساتھی شیخ نیشاپوری اور خیر المروزی اور میں تھے۔ فرمایا کہ ہم ابھی کشتی پر سوار ہی تھے کہ مجھے احتلام ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا، انہوں نے مجھ کو کہا کہ سمندر میں گھس جاؤ۔ میں نے ان کو کہا کہ میں اچھی طرح سے تیرنا نہیں جانتا، انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو رسی سے باندھ لیتے ہیں، انہوں نے مجھ کو رسی سے باندھا اور پانی میں چھوڑ دیا۔ میں پانی میں تھا اور اسی حالت میں بھی مکمل وضو کرنا چاہتا تھا۔ جب میں نے وضو کر لیا تو میں نے ان کو کہا کہ مجھ کو آہستہ سے چھوڑ دو۔ انہوں نے مجھ کو آہستہ سے چھوڑا۔

میں نے اپنے آپ کو پانی میں داخل کر لیا پھر میں نے ان کو کہا کہ مجھ کو اٹھا لو، انہوں نے مجھ کو اٹھا لیا پھر ہم کشتی میں چل پڑے۔ اس وقت سمندر کی ہوا مخالف سمت سے چل پڑی جس کی وجہ سے کشتی حرکت نہیں کر سکتی تھی اور ہم کو تین ماہ تک سمندر میں رہنا پڑا، جس کی وجہ سے ہمارا دم گھٹنے لگا اور ہمارا سفر خرچ بھی ختم ہونے کو تھا، پھر ہم خشکی پر آ گئے اور چند دن خشکی پر چلتے رہے جو باقی ماندہ پانی اور خرچ تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

پھر ہم تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں چلتے رہے کہ ہم نے کوئی چیز نہیں چکھی۔

تیسرے دن جب ہم اٹھ کر چلنے لگے تو شیخ مروزی بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہم نے ان کو ہلایا جلایا لیکن ان کو ہوش نہ آیا۔ ہم نے ان کو وہیں چھوڑ دیا۔ میں اور میرا نیشاپوری ساتھی ایک دو فرسخ ہی چلے ہوں گے کہ میں کمزوری کے باعث بے ہوش ہو کر گر پڑا، میرا ساتھی مجھ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ برابر چلتے رہے کہ انہوں نے ایک کشتی دیکھی جو خشکی کے قریب ہو رہی تھی۔

وہ بر موسیٰ علیہ السلام پر اتری جب میرے ساتھی نے ان کو دیکھا تو ان کی طرف کپڑا ہلایا وہ ان کے پاس آئے۔ ان کے پاس برتن میں پانی

تھاان کو پانی پلایااور ہاتھ سے پکڑا۔

انہوں نے ان کو کہا کہ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس چلے جاؤ وہ بے ہوشی کے عالم میں راستہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

مجھے صرف یہ پتہ چلا کہ کوئی میرے چہرے پر پانی ڈال رہا ہے۔

میں نے آنکھ کھولتے ہوئے کہا کہ مجھ کو پانی پلاؤ! اس نے پانی والے برتن سے تھوڑا سا پانی مجھ کو پلایا۔ جب میں نے پانی پیا تو مجھ میں کچھ جان آئی، انہوں نے مجھ کو جی بھر کے پانی نہیں دیا۔

میں نے کہا اور پانی پلاؤ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے کہا ایک شیخ پیچھے بے ہوش پڑے ہیں۔ انہوں نے کہا، ان کے پاس بھی لوگ گئے ہوئے ہیں، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور میں پاؤں گھسیٹ رہا تھا۔

وہ مجھے تھوڑا تھوڑا پانی بھی پلا رہے تھے یہاں تک کہ ہم ان کی کشتی تک پہنچ گئے۔

دوسرے لوگ ہمارے تیسرے ساتھی شیخ کو بھی لے آئے۔ ہم ان کے پاس کئی دن رہے یہاں تک کہ ہم میں جان آ گئی پھر انہوں نے "رایہ" شہر کے والی کے نام ایک خط لکھا اور ہم کو روٹی ستو اور پانی دیا۔ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ پانی روٹی اور ستو ختم ہو گئے۔

ہم سمندر کے کنارے بھوکے پیاسے چلتے رہے یہاں تک کہ ہماری نظر کچھوے پر پڑی جس کو سمندر نے باہر پھینک دیا تھا۔ ہم نے ایک بڑا پتھر لے کر اس کی پیٹھ پر دے مارا، اس کی پیٹھ سے انڈے کی زردی کی طرح کی کوئی چیز بہنے لگی وہاں سے ہم نے کچھ سیپیاں اٹھائیں اور وہ چیز چاٹنے لگے جس کی وجہ سے ہماری بھوک کچھ تھم گئی اور چلنے کے قابل ہو گئے اور ہم رامی شہر میں داخل ہو گئے۔

ہم نے اس شہر کے حکمران کو خط پہنچایا، اس نے ہم کو اپنے گھر میں مہمان بنایا اور ہمارے ساتھ احسان کیا، وہ ہم کو روزانہ کدو کھلاتے رہے اور اپنے خادم کو کہتے کہ ان کو مبارک کدو کھلاتے رہو۔

کئی دن جب اسی طرح گذرے تو ہمارے ایک ساتھی نے فارسی میں کہا کہ کیا آپ ہم کو کبھی بھونا ہوا گوشت بھی کھلائیں گے۔

اس نے کہا کہ میں فارسی بھی اچھی طرح جانتا ہوں اس لئے کہ میرا دادا ہروی تھا۔ اس کے بعد وہ ہم کو گوشت کھلانے لگے۔ پھر ہم نے ان کے ہاں سے جانے کا ارادہ کر لیا جب ہم جانے لگے تو انہوں نے ہم کو زادِ راہ دیا یہاں تک کہ ہم مصر میں داخل ہو گئے۔

❀❀❀❀

حافظ ذھبیؒ نے "العبر" میں اور حافظ ابن حجر نے "تہذیب التھذیب" میں حافظ یعقوب بن سفیان الفارسیؒ کے احوال میں لکھا ہے کہ ابو اسحاق بن حمزہؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ

کہتے ہیں کہ مجھ کو یعقوب بن سفیان نے کہا کہ میں تیس سال سفر میں رہا۔ میرے سفر کے دوران ہی سفر خرچ کم پڑ گیا۔ میں رات کو پابندی کے ساتھ کتابت کیا کرتا تھا اور دن کو پڑھا کرتا تھا۔

ایک رات میں چراغ کی روشنی میں بیٹھا لکھ رہا تھا، سردیوں کا موسم تھا میری آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں علم کے فوت ہونے اور شہر سے دور رہونے کی وجہ سے رونے لگ پڑا، مجھے اس حالت میں نیند آ گئی۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے مجھ کو آواز دی۔

''یعقوب! تم کیوں رو رہے ہو؟''

میں نے عرض کی، حضرت! میری نگاہ ختم ہو گئی ہے اور اس وجہ سے جو چیز مجھ سے فوت ہو رہی ہے اس کا مجھ کو افسوس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے قریب ہو جاؤ!''

میں آپ ﷺ کے قریب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے میری آنکھ پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ جیسے کچھ پڑھ رہے ہوں پھر میں جاگ گیا اور وہ نسخہ لے کر میں نے لکھنا شروع کر دیا۔

امام یعقوبؒ کی وفات ۲۷۷ھ میں ہوئی انہوں نے ۸۹ سال کی عمر پائی۔

❁❁❁❁

حافظ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام محمد بن جریر الطبریؒ کے احوال میں لکھا کہ انہوں نے 76 سال کی عمر پائی، ان کے بلوغ کو پہنچنے کے بعد سے وفات تک کے ایام ان کے تلامذہ نے گنے پھر ان کی تصانیف کے اوراق ان ایام پر تقسیم کئے تو ہر دن پر چودہ ورق آئے۔

امام ابن جریرؒ کے شاگرد ابو محمد عبداللہ بن احمد بن جعفر الفرغانیؒ کہتے ہیں کہ امام ابن جریر اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خیال نہیں کرتے چاہے کتنی تکلیف ان کو نہ دی جاتی۔ اہل علم ان کے علم، زہد، دنیا سے بے رغبتی اور اسی پر قناعت جو حصہ ان کے لئے ان کے والد نے طبرستان میں چھوڑا تھا کے منکر نہ تھے۔

فرمایا کہ احمد بن جریر نے بارہ برس کی عمر میں ۲۳۹ھ میں آمل سے سفر علم شروع کیا تھا۔ والد نے ان کو سفر کی اجازت دی اور ان کے والد ان کو زندگی بھر ایک شہر سے دوسرے شہر کے مختلف چیزوں کی طرف متوجہ کرتے رہے۔

میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ والد صاحب کی طرف سے پہنچنے والے خرچے میں تاخیر ہو گئی تو مجبوراً مجھ کو اپنی قمیص کی آستین کھول کر بیچنی پڑی۔ اس زمانہ میں خوبصورت قسم کی آستین الگ سے قمیصوں کے ساتھ لگائی جاتی تھی۔ ایک درہم پر مہینہ بھر گزارا۔

❁❁❁❁



ایک واقعہ کسی جگہ پڑھا تھا، اختصار اس کا یہ ہے کہ ایک یہودی کسی مسلمان کا پڑوسی تھا۔ ہمارے ہاں اسلامی حکومتیں ہوتی تھیں جو غیر مسلم ذمی بن کر ہمارے ساتھ رہتے تھے ان کے حقوق کا بہت خیال رکھا جاتا تھا...... چنانچہ اس یہودی کے ساتھ اس کا پڑوسی بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔

اس مسلمان کی عادت تھی کہ وہ ہر تھوڑی دیر بعد یہ جملہ کہتا تھا۔

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔''

جو کوئی بھی اس مسلمان سے ملتا وہ مسلمان اسے اپنا یہ جملہ ضرور سناتا اور جو کوئی بھی اس کے ساتھ بیٹھتا اسے ایک مجلس میں کئی بار یہ جملہ مکمل یقین سے سناتا کہ:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔

اس مسلمان کا یہ جملہ اس کے دل کا یقین تھا اور وہ خود اس جملے کے فوائد وثمرات دن رات اپنی زندگی میں دیکھتا تھا اور واقعی اس جملے میں کوئی ''مبالغہ'' بھی نہیں ہے۔



خود حضور اقدس ﷺ نے اپنے مقرب صحابی کو یہ وظیفہ ارشاد فرمایا کہ...... اگر وہ اپنے تمام وقت درود شریف میں گزاریں گے تو...... اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت کی تمام حاجتیں پوری فرمائیں گئے...... اس مسلمان کے اس جملے سے یہودی کو بہت تکلیف ہوتی تھی...... یہودی حضرت آقا مدنی ﷺ سے بہت سخت حسد اور عداوت رکھتے ہیں اور وہ حضور اقدس ﷺ کی شان مبارک سننے کی ہمت بھی نہیں رکھتے۔

ہمارے زمانے میں حضور ﷺ کی شان مبارک میں بے ادبی کی جتنی بھی ناپاک تحریکیں چل رہی ہیں...... ان کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ، یہودیوں کا مال یہودیوں کی ترغیب اور یہودیوں کا میڈیا ہے۔

''یہودی'' ابھی تک ''بنو قریظہ'' کے جہاد کو نہیں بھولے۔ان کو ''بنو نضیر'' اور ''بنو قینقاع'' کے معرکے اب تک یاد ہیں۔ان کو ''خیبر'' کا جہاد ابھی تک کانٹے کی طرح چبھتا ہے...... ''یہود'' دنیا کی بدترین، غلیظ ترین اور سازشی ترین قوم ہے۔

بالآخر اس یہودی نے اس مسلمان کو ''جھوٹا'' کرنے کی ٹھان لی اس نے ایک سازش تیار کی...... تاکہ اس مسلمان کو ذلیل ورسوا کیا جائے...... اور ''درود شریف'' کی تاثیر پر سے اس کے ''یقین'' کو کمزور کیا جائے...... اور اس سے یہ جملہ کہنے کی عادت چھڑوائی جائے۔

یہودی نے ایک زرگر یعنی سنار سے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی...... اور اسے تاکید کی ایسی انگوٹھی بنائے کہ اس جیسی انگوٹھی پہلے کسی کے لئے نہ بنائی ہو...... زرگر نے انگوٹھی بنادی...... وہ یہودی انگوٹھی لے کر مسلمان کے پاس آیا...... حال احوال کے بعد مسلمان نے اپنی وہی جملہ اپنی وہی دعوت دہرائی کہ:

''حضرت محمد ﷺ پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔''

یہودی نے وہ انگوٹھی لیکر مسلمان کے حوالے کی اور اندازہ لگایا کہ مسلمان نے وہ انگوٹھی کہاں رکھی ہے۔ رات کو وہ چھپ کر اس مسلمان کے گھر کودا، انگوٹھی تلاش کی اور اپنے ساتھ لے گیا۔

اگلے دن وہ سمندر پر گیا اور ایک کشتی پر بیٹھ کر سمندر کی گہری جگہ پہنچا اور وہاں وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔اس کا خیال تھا کہ جب واپس آؤں گا اور اس مسلمان سے اپنی انگوٹھی مانگوں گا تو وہ نہیں دے سکے گا۔تب میں اس پر چوری اور خیانت کا الزام لگا کر خوب چیخوں گا اور ہر جگہ اسے بدنام کروں گا۔

وہ مسلمان جب اپنی اتنی رسوائی دیکھے گا تو اسے خیال ہوگا کہ درود شریف سے کام نہیں بنا...... اور یوں وہ اپنا جملہ اور اپنی دعوت چھوڑ دے گا...... مگر اس نادان کو کیا پتا تھا کہ درود شریف کتنی

بڑی نعمت ہے۔

یہودی واپس آگیا...... سیدھا اس مسلمان کے پاس گیا اور جاتے ہی اپنی انگوٹھی طلب کی۔

مسلمان نے کہا:

''حضرت محمد ﷺ پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں...... آج درود شریف کی برکت سے صبح دعاء کر کے شکار کے لئے نکلا تھا تو مجھے ایک بڑی مچھلی ہاتھ لگ گئی...... آپ سفر سے آئے ہیں وہ مچھلی کھا کر جائیں''

پھر اس مسلمان نے اپنی بیوی کو مچھلی صاف کرنے اور پکانے پر لگا دیا۔ اچانک اس کی بیوی زور سے چیخی اور اسے بلایا۔ وہ بھاگ کر گیا تو بیوی نے بتایا کہ مچھلی کے پیٹ سے سونے کی انگوٹھی نکلی ہے اور یہ بالکل ویسی ہے جیسی ہم نے اپنے یہودی پڑوسی کی انگوٹھی امانت رکھی تھی۔

انگوٹھی وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ مچھلی کے پیٹ والی انگوٹھی یہودی کے پاس لے آیا اور آتے ہی کہا:

''حضرت محمد ﷺ پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت پوری ہوتی ہے۔''

پھر اس نے وہ انگوٹھی یہودی کے ہاتھ پر رکھ دی۔ یہودی کی آنکھیں حیرت سے باہر، رنگ کالا پیلا اور ہونٹ کانپنے لگے۔

اس نے کہا: یہ انگوٹھی کہاں سے ملی؟

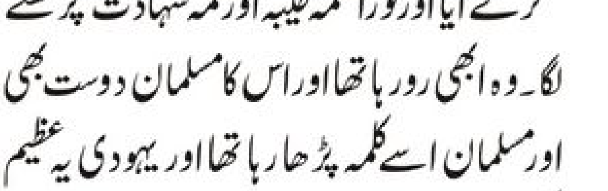
مسلمان نے کہا: جہاں ہم نے رکھی تھی وہاں دیکھی وہاں تو نہیں ملی...... مگر جو مچھلی آج شکار کی اس کے پیٹ سے مل گئی ہے...... معاملہ مجھے بھی سمجھ نہیں آرہا مگر الحمدللہ آپ کی امانت آپ کو پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے پریشانی سے بچالیا۔

بے شک محمد ﷺ پر درود بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت و مراد پوری ہوتی ہے۔''

یہودی تھوڑی دیر کانپتا رہا۔ پھر بلک بلک کر رونے لگا۔ مسلمان اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ یہودی نے کہا، مجھے غسل کی جگہ بتائیں غسل کر کے آیا اور فوراً کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔ وہ ابھی رو رہا تھا اور اس کا مسلمان دوست بھی اور مسلمان اسے کلمہ پڑھا رہا تھا اور یہودی یہ عظیم کلمہ پڑھ رہا تھا۔

وجہ پوچھی تب اس نومسلم نے سارا قصہ سنا دیا مسلمان کے آنسو بہنے لگے اور وہ بے ساختہ کہنے لگا ''حضرت محمد ﷺ پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت و مراد پوری ہوتی ہے۔''

❁❁❁❁





سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

37

عبدالحفیظ امیرپوری

بیٹے کا جواب سن کر حیدر علی مسکرانے لگا۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم پہلے امتحان میں کامیاب ثابت ہوئے۔تمہارا فیصلہ درست تھا۔“

اگرچہ حیدر علی، ٹیپو کی مدد کو آپہنچا تھا لیکن اس کے پاس بھی اتنی فوج نہیں تھی کہ وہ منگلور میں داخل ہو کر قلعہ کا محاصرہ کر سکے۔مجبوراً والئی میسور نے کچھ دن تک منگلور کے نواح میں قیام کیا اور اس دوران آٹھ ہزار سپاہی ملازم رکھے۔یہ سپاہی فنون جنگ سے واقف نہیں تھے مگر فطرتاً جرأت مند اور بہادر تھے۔چند روز تک انہیں بندوق چلانے کی مشق کرائی گئی، پھر آٹھ ہزار سپاہیوں کو بندوقیں اور مختلف رنگوں کے جھنڈے دے کر منگلور کی طرف بڑھا دیا گیا۔

حیدر علی نے اس نمائشی فوج کو چار دستوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر دستہ دو ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔یہ چاروں دستے مختلف سمتوں سے منگلور کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ان کے جھنڈوں اور دیگر نشانوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ مختلف فوجیں ہیں جو شہر کے محاصرے کے لیے پیش قدمی کر رہی ہیں۔

کمانڈر مائیکل رابرٹ نے یہ منظر دیکھا تو بدحواس ہو گیا اور قلعہ چھوڑ کر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔جب ٹیپو کو اس صورت حال کی خبر ہوئی تو وہ اپنے فوجی دستے کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا اور پوری طاقت کے ساتھ قلعے پر حملہ کر دیا۔

مائیکل رابرٹ اپنی فوج کو لے کر قلعے کے عقبی دروازے سے باہر نکلا اور انتہائی سراسیمگی کے عالم میں جہاز پر سوار ہو کر بمبئی فرار ہو گیا۔

انگریز سپاہی اپنا سارا ساز و سامان قلعے میں چھوڑ گئے تھے جس پر ٹیپو سلطان نے قبضہ کرلیا۔

"فرزند! تمہیں پہلی فتح مبارک ہو!" حیدر علی نے ٹیپو کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"بابا محترم! یہ سب اللہ کا کرم ہے اور آپ کی تربیت کا فیض ہے۔" ٹیپو نے بڑی انکساری سے کہا۔ حیدر علی نے بہت غور سے ٹیپو کی طرف دیکھا۔ ولی عہد سلطنت کے چہرے پر غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔

منگلور کی مہم سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی، ٹیپو سلطان کے ساتھ مشرقی محاذ کی طرف پلٹا۔ اس وقت انگریزی فوج زسی پور میں مقیم تھی اور اس کے قریب ہی مراری راؤ خیمہ زن تھا۔

نواب حیدر علی نے اچانک اس پر شب خون مارا اور بہت سا مال و اسباب لوٹ کر سات گڑھ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسی اثناء میں انگریزی فوج کے ایک دستے نے مدراس سے نکل کر جواب میں ڈنڈیگل اور دھاراپور پر قبضہ کرلیا۔

اس خبر کے ملتے ہی نواب حیدر علی نے ٹیپو سلطان کو کرنل اسمتھ کے مقابل چھوڑا اور خود دھرم پوری کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستے میں انگریزی فوج کے لئے چار ہزار بیلوں پر سامان رسد جا رہا تھا۔ حیدر علی نے اسے لوٹ لیا اور پھر ایک مختصر جنگ کے بعد دھرم پور فتح ہوگیا۔

اس کے بعد نواب حیدر علی، ہوسکوٹہ کی طرف بڑھا۔ جب کرنل اسمتھ کو یہ خبر ملی تو وہ ہوسکوٹہ کے دفاع کے لئے کولار کی سرحدوں سے باہر نکلا مگر ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان نے اسے راستہ ہی میں روک لیا۔ آخر ایک خونریز جنگ کے بعد ہوسکوٹہ بھی فتح کرلیا گیا۔

اس فتح کی خبر سنتے ہی نوعمر ٹیپو نے ایک عجیب چال چلی۔ ہوسکوٹہ کے دفاع کے لئے تازہ دم بڑی فوج منگلور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ٹیپو نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں اور ایک کمین گاہ میں روپوش ہوجائیں۔

پھر جیسے ہی انگریزی فوج اس کمین گاہ پہنچی، تو ٹیپو کے سپاہی اس پر کسی آفت ناگہانی کی طرح نازل ہوگئے۔ بے خبری کے عالم میں یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ فرنگی پسپا ہوگئے اور کرنل اسمتھ کولار کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

حیدر علی اس وقت زسی پور میں مقیم تھا۔ اس دوران انگریزی فوج کے لئے مدراس سے سامان رسد آ رہا تھا۔ حیدر علی کے سپاہیوں نے ہر پن ہلی کے قریب اسے بھی لوٹ لیا۔ شب خون اور لوٹ مار کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ اتحادی فوجیں زندگی سے بیزار نظر آنے لگیں۔

اچانک مرہٹہ سردار شامارا ؤ اپنی دس ہزار فوج لے کر کسی نامعلوم مقام کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی دکن کے سپاہیوں پر دہشت طاری ہوگئی اور ان کی اکثریت میدان جنگ سے

فرا ہونے کا بہانہ تلاش کرنے لگی۔

کرنل اسمتھ بار بار نظام علی خان کو تسلیاں دے رہا تھا کہ عنقریب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا مگر تیسرے دن خبر آئی کہ مرہٹہ سردار شامار اؤ، حیدر علی سے معاہدہ کر کے واپس جا چکا ہے۔اس خبر نے نظام علی خان کے ہوش اڑا دیئے۔وہ بار بار اپنے امیروں سے مخاطب ہو کر چلا رہا تھا۔

''اس لٹیرے سے صلح کی بات کرو! اب اس میں ہی ہماری نجات ہے۔''

آخر نظام کا دیوان رکن الدولہ ایک صلح نامہ تیار کر کے نواب حیدر علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ والی میسور نے صلح نامہ ٹیپو سلطان کی طرف بڑھا دیا۔ جب ولی عہد سلطنت صلح نامے کو پڑھ چکا تو حیدر علی نے ٹیپو کے ہاتھ سے کاغذ لے کر رکن الدولہ کے سامنے پھینک دیا۔

''اسے کہو کہ پہلے مظفر جنگ کی بیوہ رافعہ خاتون اور اس کی بیٹی حمیدہ خاتون کو صحیح سلامت سرنگا پٹم پہنچانے کے انتظامات کرے۔پھر اس کے بعد کسی صلح نامے پر بات ہوگی ورنہ وہی میدان جنگ ہوگا، وہی شہسوار ہوں گے، وہی تیر و تفنگ ہوں گے، وہی شمشیریں ہوں گی اور وہی انسانی سر ہوں گے۔''

جب نظام علی خان والی دکن نے صلح کے لئے نواب حیدر علی کی بنیادی شرط سنی تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

''اس کم نسب کو رافعہ خاتون اور حمیدہ خاتون کے نام کس طرح معلوم ہوئے؟ کیا ہماری صفوں میں بھی اس کے جاسوس موجود ہیں؟ آخر وہ ہماری عزت مآب بھاوج اور بھتیجی کا طلب گار کیوں ہے؟'' نظام علی خان اپنے دیوان رکن الدولہ پر برس پڑا جب اس نے یہ مطالبہ کیا تو نے اس کے منہ پر تھوک کیوں نہیں دیا؟۔

''حضور! ہوش کی باتیں کریں!''

دیوان رکن الدولہ نے والی دکن کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''شکست ہمارے دروازے تک آ پہنچی ہے۔ ایسی سنگین فضا میں ہماری زبان سے ادا ہونے وا ایک بھی حرف گرم نواب حیدر علی کے غصے کی آگ بھڑ کا سکتا ہے۔اور پھر یہ آگ کہاں تک پھیلے گی، اس کا کسی کو اندازہ نہیں۔''

''کیا میں اپنے ناموس کو حیدر علی کے حوالے کر دوں؟'' ایک تو اپنے منصوبے کی ناکامی کا صدمہ، دوسرے والیٔ میسور کا عجیب مطالبہ، نظام علی خان رکن الدولہ کے سمجھانے کے باوجود اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

''خون کے دریا بہہ جائیں گے اور ارض دکن تہ و بالا ہو جائے گی مگر میں اپنی ناموس کو اس لٹیرے کے حوالے نہیں کروں گا۔''

رکن الدولہ خوب جانتا تھا کہ نظام دکن ریا کاری سے کام لیتے ہوئے جھوٹے غیظ و غضب کا مظاہرہ

کر رہا تھا۔ ورنہ حقیقت تو یہی تھی کہ خود اسی نے اپنے دیوان کو صلح کا پیغام لے کر نواب حیدر علی کے پاس بھیجا تھا۔

"آپ صبر وضبط سے کام لیں۔ میں ایک بار پھر والی میسور سے اس موضوع پر گفتگو کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ بھی افہام وتفہیم سے کام لیں گے اور یہ مسئلہ بحسن وخوبی حل ہوجائے گا۔"

پھر دیوان رکن الدولہ دوبارہ نواب حیدر علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔

"حضور! نظام کو آپ کی سخت شرائط منظور نہیں"

رکن الدولہ نے انتہائی شاطرانہ انداز میں والی دکن کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔

"ایک عام آدمی بھی اپنی آبرو کو کسی غیر شخص کے حوالے نہیں کرسکتا۔ پھر وہ تو شہنشاہ کا درجہ رکھتے ہیں۔"

"میں نے تیرے شہنشاہ سے صلح کی درخواست کب کی تھی؟"

حیدر علی کا غصہ بھڑک اٹھا۔

"میں نے تو ایک غم زدہ بیوہ اور اس کی غیرت مند بچی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر قدرت نے میری مدد کی تو میں ان دونوں کی مدد کو ضرور پہنچوں گا" یہ کہہ کر نواب حیدر علی نے پوری بات بیان کردی۔

"مجھے کسی کے ناموس سے کھیلنے کا شوق نہیں ہے۔ یہ کھیل نظام ہی کو مبارک ہو کہ وہ میدان جنگ میں بھی رقاصاؤں کا ایک طائفہ لے کر آیا ہے" والیٔ میسور کے جاسوسوں نے اسے مخبری کر دی تھی کہ اتحادی فوجوں کو اپنی فتح کا یقین ہے اور اس یقین کے پیش نظر نظام دکن کے خیمے میں رقص وسرور کی محفلیں آراستہ ہوتی ہیں اور انگریز فوجی افسر بدمستی کے عالم میں خوب صورت رقاصاؤں کے فن سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

نواب حیدر علی نے رکن الدولہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا تھا۔

"میرے نزدیک رافعہ خاتون بہن کی اور حمیدہ خاتون بیٹی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر والیٔ دکن کو میری یہ شرط منظور نہیں تو وہ کچھ دن انتظار کرے۔ وقت خود فیصلہ کردے گا۔"

دیوان رکن الدولہ واپس چلا گیا اور اس نے والی دکن کو ایک ایک بات سے آگاہ کردیا کہ رافعہ خاتون اور حمیدہ خاتون نے خود نواب حیدر علی کو مدد کے لئے پکارا ہے۔

نظام علی خان نے گھٹنے ٹیک دیئے، پھر ایک برق رفتار قاصد اس حکم کے ساتھ آیا کہ رافعہ خاتون اور حمیدہ خاتون کو بحفاظت سرنگا پٹم پہنچا دیا جائے۔ رافعہ خاتون نے یہ حکمنامہ سنا تو دنگ رہ گئی۔

"کیا اب وہ ستم گر ہمیں غیروں کے ہاتھ بیچ رہا ہے؟" رافعہ خاتون کو سکتہ سا ہوگیا تھا۔

"نہیں مادر گرامی!" حمیدہ خاتون جوش جذبات میں ماں سے لپٹ گئی تھی۔

"میں نے کچھ دن پہلے والیٔ میسور کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ وہ ہمیں رسوائی کے اس زندان سے نجات دلائیں۔ شاید میری درخواست منظور ہوگئی ہے اور نواب حیدر علی ہماری مدد کو آپہنچے ہیں۔"

رافعہ خاتون، بیٹی کی زبانی حقیقت حال سے واقف ہوئی تو اس نے چین کا سانس لیا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

"خدا نواب حیدر علی خان کو جزائے خیر دے۔ان کے بارے میں جیسا سنا تھا، ویسا پایا۔"

سرنگا پٹم روانہ ہونے سے پہلے رافعہ خاتون اور حمیدہ خاتون، مظفر جنگ کی قبر پر حاضر ہوئیں۔ عجیب ویرانی کا عالم تھا۔ پورا مقبرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا اور جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے تان دیئے تھے۔نہ کوئی نگراں تھا، نہ کوئی جاروب کش اور نہ سر شام کوئی چراغ جلانے والا۔

نواب مظفر جنگ کا مقبرہ، ملکہ ہند نور جہاں کے مزار کی تصویر نظر آرہا تھا۔

بہت دیر تک رافعہ خاتون شوہر کی قبر کے قدموں سے لپٹی روتی رہی۔حمیدہ خاتون کی بھی یہی کیفیت تھی اور پھر بہت دیر تک دونوں کی آنکھوں سے سیلاب اشک جاری رہا، پھر کچھ حالت سنبھلی تو ماں اور بیٹی نے مظفر جنگ کی قبر کو صاف کیا، پھول چڑھائے اور چراغ جلایا۔

رخصت ہوتے وقت حمیدہ خاتون نے بڑے عجیب سے لہجے میں باپ کی قبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"بابا! اب میں اس وقت تک اس زمین پر قدم نہیں رکھوں گی، جب تک آپ کی قبر نظام علی خان کی قید سے آزاد نہیں ہو جاتی۔"

اس کے بعد رافعہ خاتون اور حمیدہ خاتون اپنے زیورات اور قیمتی سامان لے کر ایک حفاظتی دستے کے ساتھ سرنگا پٹم روانہ ہوگئیں۔ پھر جب حیدر علی کے ذمے دار افسروں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ ماں بیٹی سرنگا پٹم پہنچ چکی ہیں تو اس نے دیوان رکن الدولہ کا مرتب کردہ صلح نامہ ٹیپو سلطان کی طرف بڑھا دیا۔

ولی عہد سلطنت نے باآواز بلند صلح نامہ پڑھا جس کی تفصیلات مندرجہ ذیل تھیں۔

نواب ارکاٹ والاجاہ محمد علی کے بڑے بھائی نواب محفوظ خان کی بیٹی ٹیپو سلطان سے بیاہ دی جائے۔میر انوارالدین کے بڑے بیٹے کی حیثیت سے محفوظ خان نواب ارکاٹ قرار پائیں۔۔۔اور پھر وہ اپنا حق ٹیپو سلطان کو تفویض کر دیں۔

نواب حیدر علی خان بہادر اور نظام علی خان والی دکن ہمیشہ ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے۔

صلح نامے کی آخری شق یہ تھی کہ حیدر علی اور نظام علی خان مل کر والاجاہ کو معزول کرنے کی کوشش کریں گے۔

صلح نامے پر نواب حیدر علی اور نظام الملک کے دستخط ثبت ہوئے جن پر دکن کے سیاسی حلقوں میں بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نظام علی خان ایک ممکنہ شکست اور شدید جانی و مالی نقصان سے محفوظ رہا تھا۔ اس کے بعد نواب حیدر علی نے اپنے وکیل کے ذریعے مدراس کے گورنر کو ایک طویل مراسلہ بھیجا جس میں نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی کی تمام سازشوں کا تفصیلی ذکر کیا تھا کہ اس کی چالبازیوں کے سبب یہ خونریز جنگ ہوئی ہے اور پورے علاقے کا امن وسکون غارت ہو کر رہ گیا ہے۔

اس لئے والا جاہ محمد علی کی سرپرستی سے دست کش ہو جائیں اور اسے میدان میں تنہا چھوڑ دیا جائے تا کہ سرنگا پٹم کی فوجیں اس منافق و ریاکار سے اپنے تمام حسابات بے باق کر سکیں۔

مدراس کے فرنگی تو جانتے ہی تھے کہ یہ آگ خود ان کی لگائی ہوئی ہے، اس لئے وہ والا جاہ محمد علی کی حمایت سے کس طرح دستبردار ہو سکتے تھے؟ دونوں اعلیٰ درجے کے منافق تھے اور منافقت کی اسی قدر مشترک نے دونوں کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا تھا۔

۞۞۞۞۞

دھوکے کی جگہ

ہمارے آپس میں جھگڑوں کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اس عارضی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔

اگر ہم یہ سوچ لیں کہ یہ کچھ مدت کے لئے قیام کی جگہ ہے تو بہت سی ذہنی پریشانیاں اور لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں۔

یہاں ہمیں جو کچھ بھی ملا ہے خواہ وہ دولت ہو۔ تعلقات ہوں۔ رشتہ داریاں ہوں۔ بزنس یا جاب ہو۔ سب اس دنیا میں رہنے کے لئے جی بہلانے کا سامان ہے۔

یہ سب ہماری سوچ کا دھوکہ ہے کہ یہ چیز میری ہے۔۔ یہ دولت میری ہے۔۔ حقیقت یہی ہے کہ کچھ بھی میرا نہیں ہوتا۔۔ سوائے اعمال کے اگر کوئی چیز۔۔ رشتہ۔۔ جائیداد بندے کی ہو تو مرتے وقت ساتھ ضرور لے جائے۔

قرآن مجید نے واضح طور پر دنیا کی زندگی کو دھوکے کا سامان قرار دیا ہے۔

ہم نہ تسلیم کریں تو الگ بات ہے۔

(انتخاب: خالد احمد)



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

وہ آپ ﷺ کے مشہور صحابی تھے۔ایک بار کہنے لگے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ کفار سے بھی جنگ لڑی ہے اور شیطان سے بھی جنگ کی ہے۔سب لوگ حیران رہ گئے۔

انہوں نے تفصیل پوچھی تو وہ بتانے لگے کہ ایک بار میں آپ ﷺ کے ہمراہ سفر پہ تھا۔ہم نے پڑاؤ کیا۔میں نے مشکیزہ اٹھایا اور پانی لانے کے لیے جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''خیال سے جانا تمہارے پاس کوئی آئے گا اور پانی بھرنے سے روکے گا''

میں چل پڑا۔کنویں پہ پہنچا تو اچانک ایک کالا شخص مجھ پہ جھپٹا،اس نے کہا کہ پہلے گناہ کرو اس کے بعد پانی بھرنا،میں نے اس پہ حملہ کر دیا اور پتھر اٹھا کر اس کی ناک توڑ ڈالی،اس کے بعد وہ بھاگ گیا۔

میں واپس آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا:

''کوئی آیا تھا؟''

میں نے عرض کی،جی ہاں۔

اس کے بعد سارا واقعہ سنایا۔اس پہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ شیطان تھا''

یہ صحابی رسول ﷺ بہت بہادر تھے۔انہوں نے دار بنی ارقم میں پہنچ کر اسلام قبول کیا تھا اور اولین مسلمانوں میں شمار ہوئے۔ ان کے والدین نے اسلام کی خاطر بہت ظلم وستم جھیلے تھے۔ان کے والدین شہید ہوگئے تو کفار نے انہیں تختہ مشق بنانا شروع کر دیا۔

اس پہ آپ ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت حذیفہؓ کے دینی بھائی بنائے گئے۔ یہ وہ صحابی رسول ﷺ ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"جنت ان کی مشتاق ہے"

انہوں نے جنگ یمامہ میں مرتدین کا مقابلہ کیا، اس جنگ میں ان کا کان بھی شہید ہوگیا لیکن پھر بھی وہ ثابت قدم رہے۔

ایک موقع پر مسلمان کمزور پڑنے لگے تو انہوں نے انہیں پکارا اور کہا:

"کیا تم جنت سے بھاگ رہے ہو؟"

انہوں نے چاروں خلفاء کا زمانہ دیکھا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں آپ ایک علاقے کے گورنر بھی بنے۔

آپؓ نے سن ۳۷ ہجری میں شہادت پائی۔ ان کا مزار مبارک شام کے شہر رقہ میں ہے جو حالیہ جنگ میں منہدم ہوگیا ہے۔

نوٹ: ان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بتائیں اور معرفتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاصل کریں۔

وہ کون تھے سلسلہ ربیع الثانی کا درست جواب:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ربیع الثانی ۱۴۴۴ ہجری کے انعام یافتہ

حافظ عبد الرحمن...... رحیم یار خان

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

بنت نصیر احمد، لاہور...... خدیجہ کوثر، اسلام آباد...... زجاجہ بنت طارق، کراچی...... بنت عبد الہادی، کہروڑپکا...... کفایت اللہ، عمر چغتائی، عمار حسین، دانیال حسن، عبد المجید شاکر...... ارسلان اکبر، بہاولنگر...... محمد یامین، کہروڑپکا...... صدیقی احمد، کراچی۔ کبیر خان، صوابی...... ہمشیرہ محمد احمد، چارسدہ۔ بنت غازی احمد، حیدرآباد...... کلیم اللہ، پشین...... محمد ابوبکر، محمد عمر بن حافظ محمد اقبال...... محمد معاذ، صادق آباد......



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

اگر فصیح کلام میں آپ کا نام لے کر آنا ہو تو ثقل سے جان چھڑانے کے لئے کیا حربہ آزمایا جائے؟؟

☆جیکٹ اور گرم چادر اتار دیں۔

❀❀❀❀

اگر آپ کو "مسلمان بچے" کا مدیر بنا دیا جائے تو آپ "دانش کدہ" پر کس کو بٹھائیں گے؟

☆اس سیٹ پر کوئی اور بیٹھ ہی نہیں سکے گا اس لئے مجبوراً دو عہدے رکھنے پڑیں گے۔

❀❀❀❀

اگر "مسلمان بچے" کے کٹہرے میں آپ کے خلاف تحریکِ عدمِ اعتماد چلائی جائے تو آپ کا عمل کیا ہوگا؟ استعفیٰ لکھ دیں گے یا پھر صفائی پیش کریں گے؟

☆لانگ مارچ کروں گا۔

❀❀❀❀

اگر کبھی مدیر محترم کے ساتھ آپ کی ان بَن ہو جائے تو وہ انتقام کے طور پر کیا کاروائی کرتے ہیں؟ دانش کدہ کا ناغہ یا کچھ اور؟

☆کھانا زیادہ کھانے لگتا ہوں تا کہ مدیر صاحب کا خرچہ بڑھ جائے۔

(محمد شعیب، کہروڑ پکا)

❀❀❀❀

محترم بوجھ بجھکڑ

گرم انڈہ اب پچاس روپے کا ہو گیا ہے۔ سردیوں میں اس کا کوئی متبادل ہی بتا دیں؟

☆ٹھنڈا انڈہ کھا لیا کریں۔

(بریرہ احمد، کہروڑ پکا)

❀❀❀❀

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

مجھے زبانیں سیکھنے کا بہت شوق ہے۔ تقریباً ہر زبان مجھے کچھ نہ کچھ آ گئی ہے مگر پشتو بالکل نہیں آ رہی۔ کوئی حل بتا دیں؟

☆ڈرائی فروٹ بکثرت استعمال کریں اس سے آپ کو پشتو تو نہیں آئے گی لیکن فائدہ ضرور ہوگا۔

(احمد حسین، اٹک)

❁❁❁❁

جناب بوجھ بجھکڑ!

عرض ہے کہ پچھلے چار دن سے گھر میں ساگ کے علاوہ کچھ نہیں پک رہا۔ ہر چیز ہری ہوگئی ہے۔ بڑی پریشانی ہے۔

جتنا بچا ہے سوچ رہا ہوں آپ کے ہاں بجھوادوں؟ کیا قبول فرمائیں گے؟

☆اگر مکھن اور باجرے کی روٹی ساتھ ہے تو قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے۔

(امیر حسین، اوکاڑہ)

❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سائنس کی ایک نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ سوتے وقت جس کے منہ سے جتنی رال ٹپکتی ہے وہ اس قدر ہی خوش قسمت ہے۔

اس حساب سے میں تو بہت خوش قسمت ہوں۔آپ کا اس بارے میں کیا کہنا ہے؟

☆خوش قسمتی کا رال ٹپکانے کے علاوہ کوئی اچھا راستہ ڈھونڈیں، بہتر رہے گا۔

(عثمان غازی)



واٹس ایپ پر تحریر بھیجنے والے متوجہ ہوں!

اگر آپ اچھے قلمکار کہانی نویس اور مصنف بننا چاہتے ہیں تو ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

کی پیڈ پر انگلی چلانا کاغذ پر قلم سے لکھنے کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔ یہ عادت آپ کی تحریری صلاحیتوں کے لئے کئی طرح سے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اس طرح لکھتے ہوئے آپ ٹھیک سے سوچ نہیں پاتے۔ لکھنے میں بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ جملے درست نہیں بن پاتے۔ دماغ جلدی تھک جاتا ہے اور آپ تحریر کو سمیٹنے کی کوشش میں بسا اوقات اس کا مزا خراب کر بیٹھتے ہیں۔ تحریر بہت مختصر رہ جاتی ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ قلم سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔

اس لئے کوشش کریں کہ کہانی ہو یا خط، لطیفہ ہو یا سوال، نظم یا فلنگ کاغذ پر لکھیں اور پھر اس کا صاف فوٹو بنا کر وہ ہمیں سینڈ کردیں۔ یہاں کمپوز کرلیا جائے گا۔ کوشش کریں تصویر بہت واضح بنائیں تاکہ کمپوزر کو مشکل نہ ہو۔

اگر آپ پہلے کاغذ پر لکھتے ہیں اس کے بعد ٹائپ کر کے بھیجتے ہیں تو بھی ٹھیک ہے اس گذارش کا مقصد صرف یہ ہے کہ قلم سے آپ کا تعلق مضبوط رہے۔ البتہ اس صورت میں تصحیح کا بہت اہتمام کریں۔ امید ہے آپ فائدے کی اس بات پر عمل کی پوری کوشش کریں گے۔

والسلام

مدیر

فون نمبر: 03127184199
Email:
musalmanbachay@gmail.com



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

معزز قارئین کرام،لکھاری حضرات اور قابل احترام محترم ومکرم مدیر صاحب حفظہ اللہ کو میری دعائیں اور سلام پہنچے۔

امید ہے کہ آپ سب خیر وعافیت سے ہونگے، شمارہ نومبر ربیع الثانی پر تبصرہ حاضر خدمت ہے۔ سب سے پہلے ایک بھرپور نگاہ سرورق پر ڈالی ،بہت خوبصورت ڈیزائنگ تھی۔ماشاء اللہ،اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مزید ترقی عطاء فرمائے آمین ان شاء اللہ ،اسکے بعد ایک نگاہ فہرست پر ڈالی۔

فہرست میں کئی نئے لکھاریوں نے جگہ بنا رکھی تھی۔ماشاء اللہ قابل تعریف ہے ہمارا ہر دل عزیز رسالہ اور محترم مدیر صاحب کہ وہ اتنی بڑی تعداد میں نئے لکھاریوں کو موقع دے رہے ہیں۔اس کے بعد اداریہ پڑھا۔

محترم مدیر صاحب نے مزاح اور مذاق کا واضح فرق بیان کیا۔بھائی محمد فیصل علی مومی بہادر کے ایک نئے کارنامے کیساتھ حاضر خدمت تھے۔ عبد اللہ کی تحریر مسافر کا خط بہت عمدہ تحریر تھی۔قبلہ عالی جاہ عطاء السلام سحر صاحب مسلمان بچے میں ایک اچھا اضافہ ہیں۔ماشاء اللہ بہت کم عرصہ میں انہوں نے اپنی قلم کے ذریعے دھاک بٹھائی ہے۔"ہاتھی کی آپ بیتی" کیساتھ عمار حسین ایک بار پھر حاضر خدمت تھے،انکی تحریر بھی اچھی لگی۔

"جواب" بھائی محمد شعیب کی کہانی کا دوسرا اور آخری حصہ بھی لاجواب تھا۔حضرت سمیہ بن خباطؓ اسلام کی پہلی شہید خاتون،محمد بن طلحہ کی کافی معلوماتی تحریر تھی۔"کوئی چراغ تھا"،حنظلہ احمد کی

ایک خوبصورت تحریر تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی سواریوں نے معلومات میں اضافہ کیا۔ باقی کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔

ایک دعا ایک نمونہ جان عزیز حضرت امیر محترم حفظہ اللہ کی تحریر ہمیشہ کی طرح انگوٹھی میں نگینہ کی مانند لگی۔

آرٹ گیلری میں سبھی کے آرٹ شاندار تھے۔ دانش کدہ میں جناب بوجھ بجھکڑ نے اپنے جوابات سے خوب محظوظ کیا۔ آدھی ملاقات میں خطوط سبھی کے اچھے لگے، تحریروں کی دنیا میں سبھی کی مختصر تحریریں اچھی تھیں۔ عروہ بن زبیر کی تحریریں مختصر مگر پراثر ہوتی ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ رسالے میں مستقل لکھا کریں۔

اللہ آپ سب کی تحریروں کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنادے آمین'' اور آخر میں ڈرتے ڈرتے ضروری اعلان'' پڑھا۔ آپ کی شکایات پڑھیں محترم مدیر صاحب آپ ہمارے لئے قابل احترام ہستی ہیں۔ تحریر بھیجتے وقت ہم بھی پوری کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف یا شکایت ناں ہو مگر ابن آدم ہیں خطاء ہو ہی جاتی ہے۔ ہم دل سے معذرت خواہ ہیں آپ ہمارے بڑے اور ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ ہم بھی آئندہ اپنی پوری کوشش کرینگے کہ آپ کو ہم سے کوئی شکایت ناں ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے، اور دونوں جہاں میں آپ سے راضی ہو۔ والسلام

تسلیمہ موسیٰ

❀❀❀❀

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ مسلمان بچے کو پڑھنے والے اور تمام لکھاری خیر و عافیت سے ہوں گے۔ میں بچپن سے ہی اس رسالے کو پڑھتی آرہی ہوں لیکن کبھی قلم اٹھانے کی زحمت نہ ہوئی۔

پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے مسلمان بچے رسالہ بہت پسند ہے اور اس میں کہانی لکھنے کی بھی خواہش رکھتی ہوں، لیکن مجھے کہانی بنانا اور لکھنے کا طریقہ معلوم نہیں ہے۔ اس رسالے میں لکھنے والے تمام حضرات بہت اچھا لکھتے ہیں۔

بہن تسلیمہ موسیٰ کی کہانی بھی ہر بار شاندار ہوتی ہے، بھائی محمد فیصل علی کی کہانی بھی شاندار ہوتی ہے۔ بھائی زبیر طیب کی کہانی ختم ہونے کے بعد کوئی بھی سلسلہ وار کہانی شروع نہیں ہوئی۔ بہن انعم توصیف کی کہانی ''انٹرویو'' ہر بار بہت اچھی ہوتا ہے۔ اس سے ہمیں دین کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

میں نے اس رسالہ میں ایک آرٹ بھی بھیجی ہے امید ہے کہ میرا یہ خط اور آرٹ ضرور شائع ہو گی۔ انشاء اللہ

والسلام (ہمشیرہ محمد نعمان، شہباز پور)

❀❀❀❀

السلام علیکم!

امید واثق ہے کہ ”مسلمان بچے“ کی پوری دنیا خیر وعافیت سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمام مشفق و مہربان دوستوں کی حفاظت فرمائیں آمین۔

ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ (بمطابق ۲۰۲۲ء کا شمارہ خوبصورت سرورق کے ساتھ جلوہ افروز ہوا، حسبِ معمول تسلیمہ موسیٰ صاحبہ صفِ اول میں نظر آئیں، اللہ تعالیٰ موصوفہ کے علم عمل اور عزت و آبرو میں برکتیں نصیب فرمائے۔

اس کے بعد مومی بہادر کا کارنامہ بڑے عرصے بعد پڑھنے کو ملا، معلوم ہوا موصوف پرانے لکھاری ہیں ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم نے پڑھنے کی ابتداء کی تھی تو مسلمان بچے میں ”جانباز“ اور سلطان صلاح الدین کی آخری اقساط اس کے علاوہ ”مومی بہادر کے کارنامے“ پسندیدہ سلسلے پڑھنے کو ملتے تھے، اس وقت تو لکھاری کا نام بغور پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اب معلوم ہوا کہ ”سرسبز جنگل“، مومی کے کارنامے“ کے مصنف فیصل علی صاحب ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ جان کا اندازِ تحریر بھی بہت پسند آیا۔

ڈیرہ غازی خان کے عطاء السلام سحر بھی کمال کا لکھ رہے ہیں، مسلمان بچے میں اگرچہ نئے نئے ہیں مگر انداز تحریر سے ایک تجربہ کار اور ماہر کی شخصیت جھلکتی ہے۔

محمد مستقیم صاحب بھی اپنی جگہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہ واقعی کمال ہے کہ محاوراتی کہانی اور محدود الفاظ کے اندر سمیٹی جائے۔ عمار حسین صاحب منفرد اسلوب کے ساتھ حاضر ہوئے۔

عرض ہے کہ جس طرح انعامی سلسلے میں جواب بھیج رہے ہیں خط بھی لکھا کیجئے...... سیدہ ناجیہ شعیب“ بہترین انداز کے ساتھ حاضر ہوئیں،، ایم تجمل بیگ صاحب بھی جنگل کہانی کے ساتھ آئے مگر لگتا ہے کہ انکی تحریر نامکمل تھی...... محمد بن طلحہ السیف صحابیہ رسول کا تعارف پیش کرتے نظر آئے...... ماریہ کلثوم کی مصلحت خدا بہترین کہانی تھی، امیر پوری مولانا اب تسلسل سے لکھ رہے ہیں اللہ نظر بد سے بچائے۔ ویسے درخواست ہے کہ جناب عالی اس مبارک سلسلے کا ماخذ بتادیں۔ ظاہر ہے اتنی سست روی سے یہ سلسلہ چل رہا ہے کہ کامل افادے کے لئے تو بالمشافہ حضرت سے ملاقات ہونی ضروری ہے وگرنہ کم ازکم ان سے ماخذ پوچھ کر کام چلایا جاسکتا ہے۔

حنظلہ احمد اور ایمن صغیر نے بھی خوب لکھا۔ بقیہ مستقل سلسلے بھی خوب رہے...... آدھی ملاقات میں خطوط کم تھے۔

بہن تسلیمہ، فیصل علی، عمار حسین، عطاء السلام سحر، محمد مستقیم، امداد اللہ قاصد ترابی، ابو دجانہ، زبیر طیب اور عبدالحفیظ اور دیگر تمام معزز لکھاریوں سے التجاء ہے کہ اس محفل میں حاضر ہوجایا کریں، ہم قارئین کو آپ سے آدھی ملاقات کی بڑی آرزو رہتی ہے۔

والسلام!

محمد شعیب، کہروڑ پکا

۞۞۞۞

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدیر محترم صاحب!

امید کرتا ہوں کہ رسالہ ''مسلمان بچے'' کے تمام قارئین ومحررین خیروعافیت سے ہوں گے!

میرا نام محمد انس اکبر ہے۔میں درجہ اولیٰ کا کمزور سا طالب علم ہوں کئی سالوں سے اپنے پیارے رسالے کے اوراق پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ اب سوچا کہ ان اوراق پر کچھ الفاظ رقم کروں'' تو ایک مجاہد کے چند الفاظ اس کی زبانی سن کر منظر عام پر لے آیا'' امید ہے کہ آپ میری اس محنت پر حوصلہ افزائی کریں گے اور میرے ٹوٹے ہوئے الفاظ کو ردی والی ٹوکری کی نظر نہیں کریں بقول ......اللہ محفوظ رکھے ہر بلا سے۔خصوصاً ابو امامہ صاحب کی ٹوکری سے۔

ہر ماہ جب نئے ماہ کا رسالہ نظروں کے سامنے آتا تھا پڑھنے کے بعد تحریر لکھنے کے خوابوں میں گم رہتا تھا مگر کافی سوچ و بچار کے بعد اب دل نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا نہ تو صرف دل کی مجبوری تھی بلکہ والدین و اساتذہ کی انتھک محنتوں اور دعاؤں کا صلہ بھی تھا۔

اللہ رب العزت ان کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں مقدر کرے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے۔

درخواست ہے تمام قارئین اور محررین مجھے ،میرے والدین بہن بھائیوں اور اساتذہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھے گا۔آخر میں امیر المجاہدین حفظہ اللہ، مدیر محترم، اور تمام قارئین اور محررین کو۔

محمد انس اکبر

۞۞۞۞

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

''مسلمان بچے'' شمارہ ۱۸۲ پر تبصرہ حاضر ہے سب سے پہلے تو میری کہانی ''مسافر کا خط'' شائع کرنے پر مدیر محترم کا شکریہ!

کہانی کے ساتھ ایک عدد خط بھی تھا جسے ہم ''آدھی ملاقات'' میں محض ڈھونڈتے ہی رہ گئے، حالانکہ کہانی سے زیادہ ہمیں خط کے شائع ہونے کا یقین تھا، اس شمارے میں ''کثیر الوجی'' (محمد فیصل علی) ''بلاعنوان'' (سیدہ ناجیہ شعیب) ''گھونسلہ'' (ایمن صغیر) سبق آموز کہانیاں تھیں، ''کوئی چراغ تھا'' سب سے زیادہ پسند آنے والی تحریر تھی، حنظلہ احمد کا اچھوتا اندازِ تحریر دل کو بہت بھایا، اللہ پاک علم، قلم میں مزید برکتیں عطا فرمائیں، آمین۔

''دانش کدہ'' میں ''ہمشیرہ محمد احمد، سکھر'' کو دیے گئے ''بوجھ بجھکڑ صاحب'' کے جواب نے ہمیں کھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور کر دیا، ''آدھی ملاقات'' میں ''محمد شعیب، کہروڑ پکا'' کا خط طویل اور جواب طلب تھا، مگر افسوس کہ مدیر محترم نے جواب نہیں دیا،

خطوط کے جوابات دینا مدیر محترم نے کافی عرصہ سے چھوڑ رکھا ہے، امید ہے وہ اس معاملے پر ضرور غور فرمائیں گے۔

''تحریروں کی دنیا''میں سیدہ حفصہ احمد کی تحریروں کی دنیا'' میں ''مکڑی کا جالا'' سیرت نبوی پر دل موہ لینے والی تحریر تھی، پسند آئی۔

باقی تمام تحاریر اور دیگر سلسلے اپنی مثال آپ تھے، کسی بھی شمارے پر یہ ہمارا طویل ترین تبصرہ ہے، امید ہے یہ طوالت آپ کی طبیعت پر گراں نہ گزرے گی۔ والسلام

عبداللہ جان مہمند

محترم مدیر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام مسنون کے بعد اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ''مسلمان بچے'' کی ساری ٹیم خیر و عافیت کے ساتھ دین مبین کی خدمت میں مصروف ہو گی۔ ماشاءاللہ

''مسلمان بچے'' رسالہ بھی بہت اچھا ہے اور اس کے تمام سلسلے بھی خوب ہیں۔ میں نے ابھی کچھ عرصے پہلے ہی ''مسلمان بچے'' پڑھنا شروع کیا ہے۔ الحمدللہ اس وقت سے اس کی باقاعدہ قاری ہوں۔ ہمارے گھر میں سب اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ پورا رسالہ ہی دعوتِ اسلام ہے۔

''مسلمان بچے'' بچوں کی دنیا میں بے مثال کردار ادا کر رہا ہے اور نظریہ جہاد جو آج کل دینی رسائل میں بھی بہت کم ملتا ہے، یہ تذکرہ جہاد ہی اس رسالے کو چار چاند لگا تا ہے۔

گزشتہ ماہ کا رسالہ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ کا شمارہ پہلے شماروں کی طرح بہت ہی شاندار تھا۔ اداریہ میں آپ نے ایک ضروری بات کی طرف متوجہ کیا کہ مزاح کرنا جائز ہے مذاق اڑانا ناجائز ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

''مسلمان بچے'' کے مستقل سلسلے بھی بہت اچھے جا رہے ہیں۔ خصوصاً ''غازی علم الدین شہیدؒ سے لے کر غازی عامر چیمہ شہیدؒ تک'' والا سلسلہ نہایت ہی شاندار ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ناموسِ رسالت ﷺ پر ان غازیوں جیسی غیرت اور ایمان عطا فرمائیں۔ آمین

آخر میں ایک گزارش ہے زبیر طیب صاحب سے کہ ''جانباز'' جیسی شاندار کہانی کو ختم ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ اب براہِ کرم کوئی اور ایسا شاندار سلسلہ شروع فرمائیں کہ ہم جیسے سینکڑوں قارئین نئے سلسلے کے انتظار میں ہیں۔ جزاک اللہ خیرا

حافظ محمد اقبال، سرگودھا

آرٹ گیلری



سید یوسف حسن












Bushra Virk

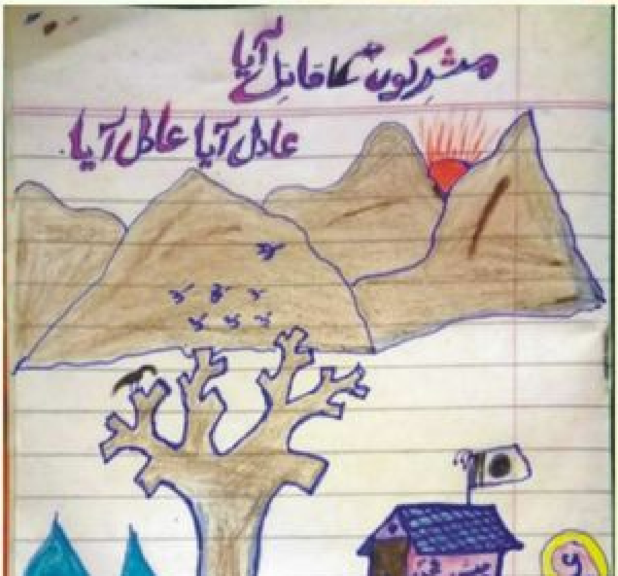




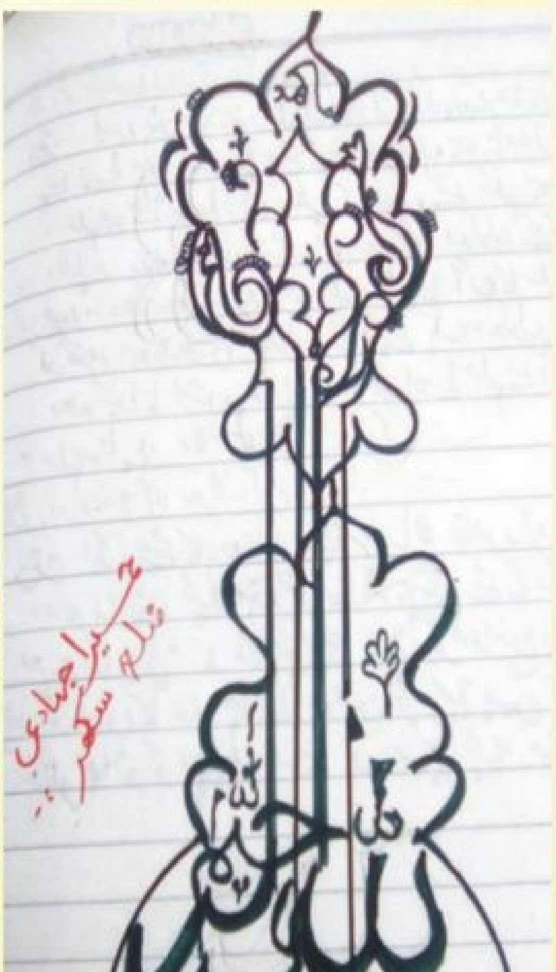


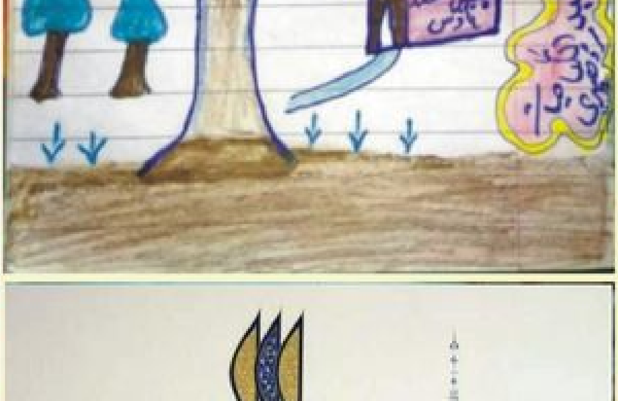


حمیرا ارشاد احمد عامر
ٹنڈو عاقل



مشرکوں کا قاتل آیا
عادل آیا عادل آیا





ہمشیرہ بابر آفریدی شہید رحمہ اللہ

جنت فردوس

نعرۂ تکبیر سے قسمت بدل | خامہ و تحریر سے قسمت بدل
دشنہ و شمشیر سے قسمت بدل | عشق کی تعزیر سے قسمت بدل

خامشی تیرے لیے اک زہر ہے
یہ بلا ہے، ظلم ہے، اک قہر ہے

زندگی کے ساز سے غافل نہ ہو | قلب کی آواز سے غافل نہ ہو
نغمہ سوز و ساز سے غافل نہ ہو | کھول پر پرواز سے غافل نہ ہو

مشکلیں آسان کر تلوار سے
زیست کا سامان کر تلوار سے

درد ملت کا مٹانا ہے تجھے | دل محمد ﷺ سے لگانا ہے تجھے
بے کسوں کے کام آنا ہے تجھے | عزت و توقیر پانا ہے تجھے

دہر کے ناسور کو خنجر سے کاٹ
غرب کے دستور کو خنجر سے کاٹ

جانب منزل قدم کرتے ہوئے | عدل کا اونچا علم کرتے ہوئے
مومنو کے غم کو کم کرتے ہوئے | دست قاتل کو قلم کرتے ہوئے

ہرستم گر کو مٹانا ہے تجھے
ظلم کی گردن دبانا ہے تجھے

اُڑ زمیں سے آسماں کو چومنے | حسن فطرت کے جہاں کو چومنے
جگمگاتی کہکشاں کو چومنے | زیست کے ابدی نشاں کو چومنے

آج اس انداز سے پرواز کر
تاکہ پھٹ جائے بلاؤں کا جگر

منفعت ہے یہ سفر تیرے لیے | عرش کا ہر بام و در تیرے لیے
کہکشاں ہے رہگزر تیرے لیے | خلد کا اک ایک گھر تیرے لیے

تیرے اک اک زخم کا انعام ہے
جنت فردوس تیرے نام ہے